بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصولِ افتاء

از متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

مرکز اھل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصولِ افتاء

افادات: متکلمِ اسلام مولانا محمد الیاس گھمن حفظہ اللہ

لفظِ فتویٰ کی تحقیق:

لفظِ فتویٰ کا مادہ "ف۔ت۔ی" ہے۔

فتویٰ کو دو طرح پڑھا گیا ہے:

1: "فَتْوٰی" (ف کے فتحہ کے ساتھ)

2: "فُتْوٰی" (ف کے ضمہ کے ساتھ)

لیکن اول معروف اور زیادہ صحیح ہے۔

"فَتْوٰی" کے علاوہ ایک لفظ "فُتْیَا" (ف کے ضمہ کے ساتھ) بھی استعمال ہوتا ہے۔

علامہ سید ابوالفیض محمد بن محمد الحسینی المعروف مرتضیٰ الزَّبِیدی رحمہ اللہ (ت 1205ھ) لکھتے ہیں:

(وَالْفُتْيَا وَالْفُتْوٰى) بِضَمِّهِمَا (وَتُفْتَحُ) ، أَيِ الْأَخِيْرَةُ: (مَا أَفْتٰى بِهِ الْفَقِيْهُ) فِيْ مَسْأَلَةٍ ... وَيُقَالُ: أَصْلُهٗ مِنَ الْفَتٰى وَهُوَ الشَّابُّ الْقَوِيُّ ....

بَلِ الْمُصَرَّحُ بِهٖ فِيْ أُمَّهَاتِ اللُّغَةِ وَأَكْثَرِ مُصَنَّفَاتِ الصَّرْفِ أَنَّ الْفُتْيَا بِالْيَاءِ لَا تَكُوْنُ إِلَّا مَضْمُوْمَةً ، وَأَنَّ الْفَتْوٰى بِالْوَاوِ لَا تَكُوْنُ إِلَّا مَفْتُوْحَةً عَلٰى مَا اقْتَضَتْهُ قَوَاعِدُ الصَّرْفِ.

(تاج العروس من جواہر القاموس: باب فتی)

ترجمہ: "فُتْیَا" اور "فُتْوٰی" دونوں لفظوں میں "فا" کے ضمہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور دوسرے لفظ (یعنی "فُتْوٰی") کو فتحہ کے ساتھ (یعنی "فَتْوٰی") بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس کا معنیٰ ہے: "مَا أَفْتٰى بِهِ الْفَقِيْهُ فِيْ مَسْأَلَةٍ" یعنی فقیہ جب کسی مسئلہ کا حکم بیان کرے۔

اور کہا جاتا ہے: اس کا مادہ "فَتٰی" سے ماخوذ ہے، اس کا معنیٰ "طاقتور جوان" ہے۔

لغت کی بڑی معتبر کتابوں اور صرف کی اکثر تصانیف میں اس بات کی صراحت ہے کہ "فُتْیَا" فا کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور "فَتْوٰی" فا کے فتحہ کے ساتھ ہے اور یہی قواعدِ صرف کا تقاضا ہے۔

علامہ مرتضیٰ الزَّبِیدی رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

وَالْجَمْعُ: اَلْفَتَاوِيْ ، بِكَسْرِ الْوَاوِ عَلَى الْأَصْلِ ، وَقِيْلَ يَجُوْزُ الْفَتْحُ لِلتَّخْفِيْفِ.

(تاج العروس من جواہر القاموس: باب فتی)

ترجمہ: اس کی جمع واؤ کے کسرہ کے ساتھ "اَلْفَتَاوِيْ" آتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے اس کی جمع واؤ کے فتحہ کے ساتھ (فَتَاوٰی) آتی ہے، کیوں کہ فتحہ میں تخفیف ہے (ثقل نہیں ہے)۔

فتویٰ کا لغوی معنی:

1: علامہ علی بن محمد بن سید الشریف الجرجانی الحنفی (ت:816ھ) لکھتے ہیں:

اَلْاِفْتَاءُ: بَیَانُ حُکْمِ الْمَسْئَلَةِ.

(کتاب التعریفات للجرجانی:ص26)

ترجمہ: افتاء کا معنی ہے: کسی مسئلہ کا حکم بیان کرنا۔

2: علامہ ابو حبیب سعدی بن حمدی بن سعید بن محمود القاضی الدِّمشقی (ت1436ھ) لکھتے ہیں:

اَلْاِفْتَاءُ مَصْدَرٌ، عِنْدَ الْحَنَفِیَّةِ بَیَانُ حُکْمِ الْمَسْئَلَةِ.

(القاموس الفقھی لغۃً و اصطلاحًا: ص 281 حرف الفاء)

ترجمہ: "افتاء" مصدر ہے۔ احناف کے نزدیک اس کا معنی ہے: کسی مسئلہ کا حکم بیان کرنا۔

فتویٰ کا شرعی معنی:

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف میں علماء کرام نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں۔

1: امام ابو اسحاق ابراہیم بن اسحاق بن عیسیٰ الْبُنَانی مولاھم، الطالَقانی رحمہ اللہ (ت 215ھ) لکھتے ہیں:

اَلْاِخْبَارُ بِالْحُکْمِ مِنْ غَیْرِ اِلْزَامٍ.

(حاشیۃ جمع الجوامع: ج2 ص397 بحوالہ قاموس الفقہ از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ج2 ص181)

ترجمہ: لازم قرار دیے بغیر کسی حکم کی خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

2: امام شہاب الدین احمد بن ادریس المالکی القرافی (ت684ھ) لکھتے ہیں:

اَلْفَتْوٰی اِخْبَارٌ عَنِ اللهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی فِیْ اِلْزَامٍ اَوْ اِبَاحَةٍ.

(کتاب الفروق: ج4 ص53 بحوالہ قاموس الفقہ از مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: ج2 ص181)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حکم کے لازم یا مباح ہونے کی خبر دینا فتویٰ ہے۔

3: راقم الحروف کے نزدیک فتویٰ کی تعریف یہ ہے:

"اَلْجَوَابُ عَنْ سُؤَالٍ سَوَاءٌ کَانَ مُتَعَلِّقاً بِالدِّیْنِ اَوْ بِالْمَسْلَكِ اَوْ بِالْمَذْهَبِ مِنْ غَیْرِ اِلْزَامٍ"

ترجمہ: لازم قرار دیے بغیر کسی سوال کا جواب دینا، خواہ اس کا تعلق دین کے ساتھ ہو، مسلک کے ساتھ ہو یا مذہب کے ساتھ ہو۔

فائدہ نمبر 1: دین، مسلک اور مذہب کا معنی

- ❖ دین.... منصوصات قطعیات کا نام ہے
- ❖ مسلک.... منصوصات ظنیّات کا نام ہے
- ❖ مذہب.... فروعی اجتہادی مسائل کا نام ہے

من غیر الزام کا مطلب ہے کہ مفتی کے ذمہ فقط رائے دینا ہے اپنی رائے کو کسی پر مسلط کرنا اس کے ذمے نہیں ہے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

فائدہ نمبر2:

اگرچہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے "فتویٰ" کا اطلاق شرعی احکام اور دنیاوی معاملات دونوں پر ہوتا ہے مگر شرعاً فتویٰ کا اطلاق شرعی مسائل پر ہی ہوتا ہے۔

دنیوی معاملات کی مثال:

﴿قَالَتۡ یٰۤاَیُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِیۡ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ۚ مَا کُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰی تَشۡهَدُوۡنِ (۳۲)﴾

(سورۃ النمل:32)

ترجمہ: ملکہ سبانے کہا تھا: اے قوم کے سردارو! جو مسئلہ میرے سامنے آیا ہے اس میں مجھے فیصلہ کن مشورہ دو۔ میں کسی معاملے کا حتمی فیصلہ اس وقت تک نہیں کرتی جب تک تم میرے پاس موجود نہ ہو۔

شرعی احکام کی مثال:

﴿وَ یَسۡتَفۡتُوۡنَکَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ یُفۡتِیۡکُمۡ فِیۡهِنَّ﴾

(سورۃ النساء:127)

ترجمہ: اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم دیتا ہے۔

منصبِ افتاء: مقام، حیثیت اور اثرات

اسلامی شریعت ایک ہمہ گیر اور مکمل ضابطۂ حیات ہے جو ہر دور میں اپنے اصول و احکام کے ذریعے انسانیت کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس آسمانی نظام کے عملی نفاذ اور امت کو پیش آمدہ مسائل میں راہنمائی فراہم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت کے اندر ایک عظیم الشان منصب قائم فرمایا، جسے "منصبِ افتاء" کہا جاتا ہے۔ یہ منصب صرف ایک فنی و علمی خدمت ہی نہیں، بلکہ شرعی احکام کی ترجمانی، دینی بصیرت کی نمائندگی، اور امت کی اجتماعی ذمہ داریوں کی انجام دہی کا مرکز ہے۔

مفتی وہ شخص ہے جو دلائلِ شرعیہ کی بنیاد پر احکامِ الٰہی کی توضیح کرتا ہے اور امت کی عملی زندگی میں شریعتِ مطہرہ کے نفاذ کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر امت اور جلیل القدر علماء نے مفتی کے مقام کو نہایت عظمت، احتیاط اور خوفِ خدا کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

1: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت676ھ) فرماتے ہیں:

اِعۡلَمۡ أَنَّ الۡإِفۡتَاءَ عَظِیۡمُ الۡخَطَرِ کَبِیۡرُ الۡمَوۡقِعِ کَثِیۡرُ الۡفَضۡلِ لِاَنَّ الۡمُفۡتِیَ وَارِثُ الۡاَنۡبِیَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ وَسَلَامُهٗ عَلَیۡهِمۡ وَقَائِمٌ بِفَرۡضِ الۡکِفَایَةِ لٰکِنَّهٗ مَعۡرَضٌ لِلۡخَطَأِ وَلِهٰذَا قَالُوۡا اَلۡمُفۡتِیۡ مُوَقِّعٌ عَنِ اللهِ تَعَالٰی.

(المجموع شرح المہذب للنَوَوِی: ج1 ص467 باب آداب الفتویٰ والمفتی والمستفتی)

ترجمہ: جان لیجیے! فتویٰ دینا ایک عالی مرتبہ بہت زیادہ پیش آنے والا اور انتہائی فضیلت والا کام ہے کیوں کہ مفتی انبیاء کرام علیہم السلام کا

بے احتیاطی بہت بڑی غلطی اور نقصان کا ذریعہ بن سکتی ہے کیوں کہ مفتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمائندہ بن کر دستخط کرتا ہے۔

فائدہ: مَوْقِع: گرنے کی جگہ، جائے وقوع۔

(المنجد: 1100)

2: امام ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی الغرناطی رحمہ اللہ (ت: 790ھ) نے مفتی کے مقام و مرتبہ پر طویل بحث فرمائی ہے، آخر میں خلاصہ ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

وَعَلَى الْجُمْلَةِ؛ فَالْمُفْتِيْ مُخْبِرٌ عَنِ اللهِ كَالنَّبِيِّ، وَمُوَقِّعٌ لِلشَّرِيْعَةِ عَلَى أَفْعَالِ الْمُكَلَّفِيْنَ بِحَسْبِ نَظْرِهِ كَالنَّبِيِّ، وَنَافِذٌ أَمْرِهِ فِيْ الْأُمَّةِ بِمَنْشُوْرِ الْخِلَافَةِ كَالنَّبِيِّ، وَلِذٰلِكَ سُمُّوْا أُوْلِي الْأَمْرِ، وَقُرِنَتْ طَاعَتُهُمْ بِطَاعَةِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾.

(الموافقات فی اصول الشریعۃ للشاطبی: ص795 الطرف الثانی: فیما یتعلق بالمجتہد من جھۃ فتواہ)

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ مفتی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نمائندہ بن کر شرعی احکامات کی خبر دیتا ہے جیسے اللہ کا نبی اللہ کا نائب بن کر احکامات دینیہ امت تک پہنچاتا ہے اور مفتی اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرح خدا داد قوتِ فہم و فکر کی بنیاد پر مکلفین کے افعال کے متعلق شرعی احکامات پر دستخط کرتا ہے، مفتی اللہ تعالیٰ کے نبی کی طرح خلافت کے طرز پر امت میں اللہ کا حکم نافذ کرتا ہے اسی وجہ سے ان کا نام "اولی الامر" رکھا گیا ہے اور اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت کو بھی ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی (اطاعت کرو)۔

فائدہ: مُوَقِّع: شاہی مہر کی نگرانی کرنے والا۔ شاہی فرمان لکھنے والا۔ (المنجد: 1101)

فتویٰ دینے میں احتیاط

فتویٰ دینا ایک نہایت ذمہ دارانہ فریضہ ہے، کیونکہ یہ شریعت کی طرف نسبت کا معاملہ ہے۔ کسی مسئلے میں "یہ جائز ہے" یا "یہ ناجائز ہے" کہنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف حکم کی نسبت ہے، اس لیے اس میں حد درجہ احتیاط لازم ہے۔ ہمارے اسلاف اور اکابر علماء نے فتویٰ دینے میں ہمیشہ احتیاط کا دامن تھامے رکھا۔ وہ صرف علمی تحقیق ہی پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ تقویٰ، تدبر اور ورع کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ یہ حضرات فتویٰ دینے سے پہلے کئی بار غور فرماتے، کبھی کتابیں پلٹتے، اور کبھی دوسرے اہل علم سے مشورہ کرتے۔ ان کے نزدیک فتویٰ دینا دیانت و ذمہ داری کا مظہر ہے۔

1: امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التمیمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت 255ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِي جَعْفَرٍ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَجْرَؤُكُمْ عَلَى الْفُتْيَا أَجْرَأُكُمْ عَلَى النَّارِ.

(سنن الدارمی: ج1 ص69 رقم الحدیث 157)

ترجمہ: حضرت عبید اللہ بن ابی جعفر رحمہ اللہ سے (مرسلاً) روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے فتویٰ دینے میں زیادہ جرأت کرنے والا آگ پر زیادہ جرأت کرنے والا ہے۔

2: امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التمیمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت 255ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ أَفْتَى بِفُتْيَا مِنْ غَيْرِ ثَبْتٍ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ.

(سنن الدارمی: ص69 باب الفتیا ومافیہ من الشدۃ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بغیر تحقیق وثبوت کے فتویٰ دیا تو اس کا وبال فتویٰ دینے والے پر ہو گا۔

3: امام ابو القاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الشامی الطبرانی رحمہ اللہ (ت 360ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي وَائِلٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: "مَنْ أَفْتَى النَّاسَ بِكُلِّ مَا يَسْأَلُونَهُ فَهُوَ مَجْنُونٌ"

(المعجم الکبیر: ج8 ص106 رقم الحدیث 8832)

ترجمہ: حضرت ابو وائل رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص ہر سوال (معقول وغیر معقول) پر فتویٰ دے دے تو وہ مجنون ہے۔

4: امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ قَالَ: قَالَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا «إِنَّكُمْ تَسْتَفْتُونَنَا اسْتِفْتَاءَ قَوْمٍ كَأَنَّا لَا نُسْأَلُ عَمَّا نُفْتِيكُمْ بِهِ»

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب: رقم الحدیث 1086)

ترجمہ: سیار بن حکم کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم ہم سے یوں (بے خوف وخطر، بلا جھجک) فتویٰ پوچھتے ہو جیسے ہم سے اس کے بارے میں سوال نہ کیا جائے گا جو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

5: علامہ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي لَيْلٰى قَالَ: أَدْرَكْتُ عِشْرِيْنَ وَمِائَةً مِّنَ الْأَنْصَارِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُسْأَلُ أَحَدُهُمْ عَنِ الْمَسْأَلَةِ فَيَرُدُّهَا هٰذَا إِلٰى هٰذَا، وَهٰذَا إِلٰى هٰذَا حَتّٰى تَرْجِعَ إِلَى الْأَوَّلِ.

(المجموع شرح المہذب: ج1 ص467)

ترجمہ: امام عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سو بیس انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسا پایا ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو ہر ایک دوسرے پر ڈال دیتا، یہاں تک کہ وہ مسئلہ دوبارہ پہلے شخص کے پاس پہنچ جاتا۔

6: امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 463ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مُسْلِمٍ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَرْبَعَةً وَّثَلَاثِيْنَ شَهْرًا فَكَانَ كَثِيْرًا مَّا يُسْأَلُ فَيَقُوْلُ: لَا أَدْرِيْ، ثُمَّ يَلْتَفِتُ إِلَيَّ: فَيَقُوْلُ أَتَدْرِيْ مَا يُرِيْدُ هٰؤُلَاءِ؟ يُرِيْدُوْنَ أَنْ يَّجْعَلُوْا ظُهُوْرَنَا جَسْرًا إِلٰى جَهَنَّمَ.

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج2 ص68 باب ما یلزم العالم اذا سئل عما لا یدریہ)

ترجمہ: امام ابو محمد عقبہ بن مسلم سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت میں 34 ماہ رہنے کا شرف نصیب ہوا جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو اکثر یہ جواب دیتے "لَا اَدْرِیْ" مجھے معلوم نہیں، پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرماتے

: کیا آپ جانتے ہو یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ یہ چاہتے ہیں کہ ہماری گردنوں کو اپنے لیے جہنم کا پل بنالیں (یعنی یہ خود بچ جائیں اور مسئلے کا سارا وبال ہماری گردن پر ہو)۔

7: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت676ھ) نقل کرتے ہیں:

وَقَالَ أَبُوْ حَنِيْفَةَ رَحِمَهُ اللهُ: لَوْلَا الْفَرَقُ مِنَ اللهِ تَعَالٰى أَنْ يُضَيَّعَ الْعِلْمُ مَا أَفْتَيْتُ، يَكُوْنُ لَهُمُ الْمِهْنَأُ وَعَلَيَّ الْوِزْرُ.

(المجموع شرح المہذب:ج1ص468باب آداب الفتویٰ)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ (خوف) نہ ہوتا، تو میں کبھی فتویٰ نہ دیتا۔ (آج) لوگوں کے لیے راحت ہے اور وبال میرے ذمہ۔"

فائدہ: "اَلْفَرَقُ" ڈر، گھبراہٹ۔

(المنجد:1139)

"الْمِهْنَأُ": خوشگوار و من پسند چیز، بلا مشقت ملنے والی چیز۔ جمع مہانئ۔

(القاموس الوحید عربی اردو لغت:ص:1783)

8: علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت676ھ) نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ: اَلْعَالِمُ بَيْنَ اللهِ تَعَالٰى وَخَلْقِهٖ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ يَدْخُلُ بَيْنَهُمْ "

(المجموع شرح المہذب للنَّوَوِی:ج1ص846باب آداب الفتویٰ والمفتی والمستفتی)

ترجمہ: علامہ (محمد) بن المنکدر (بن عبد اللہ بن الھُدَیر) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عالم اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطہ ہے، ذرا یہ غور کرے کہ وہ اس واسطے کو کیسے نبھاتا ہے؟۔

"لَا أَدْرِيْ"... دیانت، احتیاط اور اصول کی تکمیل

شریعتِ مطہرہ کی باریکیاں اور فروعی مسائل کی وسعت بعض اوقات ایسے مواقع پیدا کر دیتی ہے جہاں سائل کا سوال تو موجود ہوتا ہے، مگر مفتی کے ذہن میں اس کا واضح جواب، مناسب دلیل یا اطمینان بخش توضیح فوری طور پر موجود نہیں ہوتی۔ ایسے نازک مواقع پر مفتی کے لیے اصل تقاضا یہ ہے کہ وہ علم کے دائرے میں رہتے ہوئے جُراتِ اعتراف سے کام لے اور بلا تکلف کہہ دے: "مجھے معلوم نہیں"۔ یہ بظاہر ایک سادہ جملہ ہے، مگر اس میں علم کی دیانت، نفس کی تواضع اور آخرت کی جواب دہی کا گہرا شعور پوشیدہ ہے۔ شریعت میں بلا علم بات کرنا حرام ہے، اور غلط فتویٰ دینا صرف علمی خیانت نہیں بلکہ پوری امت کو گمراہی کی طرف دھکیلنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے اکابر علمائے دین نے تسلیمِ جہل کو علم کی علامت، وقار کی پہچان اور نجات کا وسیلہ قرار دیا ہے۔

اسی حقیقت کی ترجمانی ذیل میں چند جلیل القدر ائمہ کے اقوال میں ملتی ہے، جو ہمارے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

1: امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التیمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت 255ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ رَحِمَهُ اللهُ قَالَ: كُنْتُ أَجْلِسُ بِمَكَّةَ إِلَى ابْنِ عُمَرَ يَوْمًا وَإِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ يَوْمًا، فَمَا يَقُولُ ابْنُ عُمَرَ فِيمَا سُئِلَ: "لَا عِلْمَ لِي" أَكْثَرُ مِمَّا يُفْتِي بِهِ.

(سنن الدارمی: ص68 رقم الحدیث 155)

ترجمہ: حضرت عبید بن جریج رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں ایک دن سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صحبت میں بیٹھتا اور ایک دن سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ پس سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بہت کم مسائل کا جواب ارشاد فرماتے اور اکثر مسائل کے جواب میں فرماتے: مجھے معلوم نہیں۔

2: امام ابو عمر یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر القرطبی المالکی رحمہ اللہ (ت 463ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَوْنٍ، قَالَ: كُنْتُ عِنْدَ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ إِذْ جَاءَهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، فَقَالَ الْقَاسِمُ: لَا أُحْسِنُهُ، فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَقُولُ: إِنِّي رُفِعْتُ إِلَيْكَ لَا أَعْرِفُ غَيْرَكَ" فَقَالَ الْقَاسِمُ: لَا تَنْظُرْ إِلَى طُولِ لِحْيَتِي وَكَثْرَةِ النَّاسِ حَوْلِي، وَاللهِ مَا أُحْسِنُهُ.

فَقَالَ شَيْخٌ مِنْ قُرَيْشٍ جَالِسٌ إِلَى جَنْبِهِ: يَا ابْنَ أَخِي الْزِمْهَا، وَاللهِ مَا رَأَيْتُكَ فِي مَجْلِسٍ أَنْبَلَ مِنْكَ الْيَوْمَ. فَقَالَ الْقَاسِمُ: وَاللهِ لَأَنْ يُقْطَعَ لِسَانِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَتَكَلَّمَ بِمَا لَا عِلْمَ لِي بِهِ

(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ج2 ص66 باب ما یلزم العالم اذا سئل عما لا یدریہ)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عون بن ارطبان بن المزنی سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں قاسم بن محمد رحمہ اللہ (ت 108 یا 106ھ) کے پاس تھا تو ان کے پاس ایک آدمی آیا، اس نے قاسم بن محمد رحمہ اللہ سے کسی چیز کے بارے میں مسئلہ پوچھا، قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: میں اس کا جواب اچھی طرح نہیں جانتا، وہ شخص یہ سن کر کہنے لگا: مجھے تو آپ کے پاس ہی بھیجا گیا ہے اور آپ کے علاوہ میں کسی کو جانتا بھی نہیں، قاسم رحمہ اللہ نے فرمایا: تم میری ڈاڑھی کی لمبائی اور میرے گرد لوگوں کے ہجوم کو نہ دیکھو اللہ کی قسم! میں اس مسئلے کو اچھی طرح نہیں جانتا، اس پر ان کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک قریشی بزرگ نے فرمایا: اے بھتیجے! اس بات کو لازم پکڑ لو، (یعنی جو بات معلوم نہ ہو صاف کہہ دو میں نہیں جانتا) اللہ کی قسم! میں آج کے دن اس مجلس میں تم سے زیادہ معزز کسی کو نہیں دیکھ رہا، یہ سن کر امام قاسم بن محمد

رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میری زبان کاٹ دی جائے تو یہ مجھے اس بات سے زیادہ پسند ہے کہ میں کوئی ایسی بات کروں جس کا مجھے علم نہ ہو۔

3: امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التمیمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت 255ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي زَائِدَةَ قَالَ :مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ أَنْ يَقُوْلَ إِذَا سُئِلَ عَنْ شَيْءٍ لَا عِلْمَ لِيْ بِهٖ مِنَ الشَّعْبِيِّ.

(سنن الدارمی: ص64 رقم الحدیث 132)

ترجمہ: حضرت عمر بن ابی زائدہ رحمہ اللہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ جب کسی سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو اس کے جواب میں میں نے امام شعبی (عامر بن شراحیل الشعبی، ت 104ھ) سے زیادہ کسی کو بھی یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ "مجھے اس کا علم نہیں"۔

عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں فتویٰ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ میں خود فتویٰ جاری فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بھی مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود اس کا جواب مرحمت فرمادیتے۔ قرآن کریم کے بعد احکام شرعیہ کا دوسرا بڑا مأخذ چونکہ حدیث مبارک ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث مبارکہ کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ لکھ بھی لیتے۔ عہدِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسرا آدمی اس مقصد کے لیے متعین نہ تھا، ہاں البتہ کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذمہ لگاتے اس کی کوئی وجہ پیشِ نظر ہوتی مثلاً:

[1]: کبھی اجتہاد و استنباط کی مشق کرانے کی خاطر افتاء کی ذمہ داری کسی صحابی کو سونپ دیتے۔

مثال:

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی رحمہ اللہ (ت 405ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

"عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِعَمْرٍو اِقْضِ بَيْنَهُمَا فَقَالَ أَقْضِيْ بَيْنَهُمَا وَأَنْتَ حَاضِرٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ نَعَمْ عَلٰى إِنَّكَ إِنْ أَصَبْتَ فَلَكَ عَشَرُ أُجُوْرٍ وَإِنِ اجْتَهَدْتَّ فَأَخْطَأْتَ فَلَكَ أَجْرٌ"

(المستدرک علی الصحیحین للامام حاکم بن عبد اللہ نیشابوری رحمہ اللہ: ج:5، ص: 119، حدیث نمبر:7087)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عَمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو" حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بھلا میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں (میری موجودگی میں) فیصلہ کرو، اگر تم نے درست فیصلہ کیا تو تمہارے لیے دس اجر ہیں اگر تم نے اجتہاد کیا اور غلطی کی تو تمہارے لیے ایک اجر ہے۔

:2 کبھی کسی صحابی کی دور دراز علاقے میں تشکیل فرماتے تو ساتھ قضاء و افتاء کی ذمہ داری بھی سونپ دیتے۔

مثال نمبر 1:

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد الحاکم النیشابوری الشافعی رحمہ اللہ (ت 405ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَمَنِ عَلِيًّا، فَقَالَ: عَلِّمْهُمُ الشَّرَائِعَ وَاقْضِ بَيْنَهُمْ، قَالَ: لَا عِلْمَ لِيْ بِالْقَضَاءِ، فَدَفَعَ فِيْ صَدْرِهٖ فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اهْدِهٖ لِلْقَضَاءِ.

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ج5 ص119 رقم الحدیث 7086)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا: ان کو شریعت کے احکام کی تعلیم دو اور ان کے درمیان (معاملات میں) فیصلے کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے فیصلہ کرنے کا علم نہیں ہے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر (محبت سے؛ از مرتّب) ہاتھ مار کر فرمایا: اے اللہ! اسے فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرما۔

مثال نمبر2:

امام ابو داؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمہ اللہ (ت 275ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي عَوْنٍ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ عَمْرِو بْنِ أَخِي الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ؟ قَالَ: أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ. قَالَ: "فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ. قَالَ: فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا فِي كِتَابِ اللهِ ". قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلَا آلُو فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدْرَهُ وَقَالَ: "الْحَمْدُ لِلهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللهِ".

(سنن ابی داؤد: رقم الحدیث3594)

ترجمہ: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بطور حاکم بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو پوچھا جب تمہارے پاس کوئی معاملہ آئے گا تو کیسے فیصلہ کروگے ؟ انہوں نے کہا میں اللہ کی کتاب کے ذریعے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اگر تم نے کتاب اللہ میں نہ پایا تو کیا کروگے ؟ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا اگر وہ مسئلہ قرآن و سنت دونوں میں نہ پاسکو تو پھر کیا کروگے ؟ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: تب میں رائے کے ذریعے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر (از راہِ محبت: از مرتّب) ہاتھ مبارک مار کر فرمایا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو ایسی بات کی توفیق بخشی جس نے اس کے رسول کو راضی کر دیا۔

شبہ:

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث7352)

ترجمہ: حضرت عَمْرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جب مجتہد نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کیا، اگر اجتہاد درست ہوا تو دوہرے اجر کا حق دار ہو گا اگر اجتہاد میں خطا ہوئی تو ایک اجر ملے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درست اجتہاد کرنے پہ مجتہد کو دوہرا اجر ملتا ہے، جب کہ اوپر ذکر کردہ حضرت عبد اللہ بن عَمْرو رضی اللہ عنہما کی حدیث میں دس اجر ملنے کا ذکر ہے۔ ان دونوں احادیث میں واضح تضاد ہے۔

جوابات:

[1]: مجتہد کو اجتہاد پر اجر اس کی محنت اور کوشش کے مطابق ملتا ہے، سرسری کوشش پر اجر کم اور عرق ریزی پر اجر زیادہ ملتا ہے۔

[2]: مجتہد کی ذاتی صلاحیت کے اعتبار سے اجر میں تفاوت ہوتا ہے۔ مجتہد مطلق کے لئے اجر زیادہ، باقیوں کے لئے اجر کم ہوتا ہے۔

[3]: اصل اجر تو ایک ہوتا ہے لیکن ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ (سورۃ الانعام: 160) کے بموجب ہر نیک عمل

پر دس گنا اجر ملتا ہے چونکہ اجتہاد مصیب بھی نیک عمل ہے اس لئے اس پر بھی دس اجر ملتے ہیں۔

باقی جو دو اجر ہیں وہ کم از کم ہیں ان میں ایک اجر نفس اجتہاد کا اور دوسرا اجر مصیب ہونے کا ہے۔

(تنقیحات متکلم اسلام)

عہدِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فتویٰ

افتاء کا دوسرا مرحلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تمام مسائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھے جاتے تھے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جن حضرات کے فتاویٰ محفوظ ہیں ان سب صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کی تعداد 130 سے کچھ زائد ہے اس سلسلے میں صحابہ و صحابیات رضی اللہ عنہم کی تین قسمیں ہیں:

1: المکثّرون

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے بہ کثرت فتاویٰ دیے اور کثیر تعداد میں مسائل کے جوابات دیے، گویا انہوں نے اپنی ذات کو اس نیک مقصد کے لیے وقف کر رکھا تھا، ان کی تعداد سات ہے:

(1) سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ (ت:24ھ)

(2) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ت:32ھ)

(3) سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ (ت:40ھ)

(4) سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (ت:45یا55ھ)

(5) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا(ت:57ھ)

(6) سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ت:68ھ)

(7) سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (ت:73ھ)۔

2: المتوسّطون

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کثرت سے جواب نہ دیتے بلکہ احتیاط فرمایا کرتے تھے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ نے ان کی تعداد بیس نقل کی ہے ان کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (ت:14ھ)

(2) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (ت:18ھ)

(3) حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (ت:31یا32ھ)

(4) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ (ت:34ھ)

(5) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (ت:35ھ)

(6) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ (ت:35ھ)

(7) حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ (ت:36ھ)

(8) حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (ت:36ھ)

(9) حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ (ت:42ھ)

(10) حضرت ابو بکرۃ نفیع بن مسروح رضی اللہ عنہ (ت:51یا52ھ)

(11) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ (ت:52ھ)

(12) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (ت:55ھ)

(13) حضرت ابوہریرہ عبد الرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ (ت:59ھ)

(14) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا (ت:59ھ)

(15) حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما (ت:60ھ)

(16) حضرت عبد اللہ بن عَمرو بن عاص رضی اللہ عنہما (ت:63ھ)

(17) حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما (ت:73ھ)

(18) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما (ت:74ھ)

(19) حضرت ابوسعید سعد بن مالک بن سنان خدری رضی اللہ عنہ (ت:74ھ)

(20) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ت:91ھ)

3: المُقِلّون

وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن سے صرف ایک ایک، دو دو یا کچھ زائد مسائل منقول ہیں۔ مکثّرون اور متوسّطون کے علاوہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قسم میں داخل ہیں۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین للامام ابن القیّم الجوزیہ: ج1 ص 19 تا 25)

عہدِ تابعینِ عظام رحمۃ اللہ علیہم میں فتویٰ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد فتویٰ کی ذمہ داری حضرات کبار تابعین رحمہم اللہ کے سپرد ہوگئی۔ حضرات تابعین مختلف شہروں میں آباد تھے۔ نیز وہ علاقہ جات جنہیں مجاہدینِ اسلام نے فتح کیا ان میں بھی حضرات تابعین ہی مقتدا و پیشوا ٹھہرے اور اس دور میں ان سے بڑھ کر اور کوئی شریعت کے احکام جاننے والا نہ تھا۔ فتویٰ کے اعتبار سے حضرات فقہاء تابعین رحمہم اللہ دو حصوں میں تقسیم تھے۔

قسم اول:

ایک جماعت وہ تھی جن کا کام نقلِ حدیث تھا۔ احادیث میں غور و فکر کرنا اور ان سے نئے مسائل کا استنباط کرنا ان کا مشغلہ نہ تھا، ہاں البتہ فقہ کے وہ مسائل جو قرآن و سنت میں صراحتاً مذکور ہیں، ان میں وہ بات کیا کرتے تھے۔ یہ حضرات رائے اور قیاس کے ذریعے مسائل میں غور و فکر کو پسند نہ فرماتے اور مسائل کا استنباط بھی بقدرِ ضرورت کرتے تھے۔

ان حضرات کا موقف یہ تھا کہ فقیہ اور مفتی کے لئے مناسب طریقہ کار یہ ہے کہ وہ صرف ان واقعی و حقیقی مسائل پر اکتفا کرے جو کسی سائل کو پیش آئے ہوں۔ ایک فقیہ و عالم کے لئے انتہائی نامناسب ہے کہ وہ محض فرضی و تخیلاتی مسائل کی تخریج و تفریع میں اپنی صلاحیتیں خرچ کرے۔ یہ حضرات اپنے اس طرز عمل پر حدیث مرفوع اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل پیش کرتے تھے۔

[1]: امام ابو بکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ البیہقی رحمہ اللہ (ت 458ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَسْتَعْجِلُوا بِالْبَلِيَّةِ قَبْلَ نُزُوْلِهَا, فَإِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ, لَمْ يَزَلْ مِنْكُمْ يُوَفَّقُ وَيُسَدَّدُ, وَإِنَّكُمْ إِنِ اسْتَعْجَلْتُمْ بِهَا قَبْلَ نُزُولِهَا, تَفَرَّقَتْ بِكُمُ السُّبُلُ هٰهُنَا وَهٰهُنَا», وَأَشَارَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ.

(المدخل الی السنن الکبریٰ للبیہقی: ص 227 رقم الحدیث 298)

ترجمہ: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمہ اللہ (مرسلاً) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی حادثہ کے آنے سے پہلے تم جلدی مت کرو پس جب تم ایسا کرو گے تو ہمیشہ تم میں ایسے لوگ رہیں گے جن کو توفیق دی جاتی رہے گی اور ان کو درست رائے پر رکھا جائے گا۔ اور اگر تم نے مصیبت کے آنے سے پہلے جلدی کی تو مختلف راستے تمہیں ادھر اُدھر بانٹ دیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں اور بائیں جانب اشارہ فرمایا۔

[2]: امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التمیمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت 255ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ: بَلَغَنَا أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ كَانَ يَقُولُ إِذَا سُئِلَ عَنِ الْأَمْرِ: أَكَانَ هٰذَا؟ فَإِنْ قَالُوا: نَعَمْ قَدْ كَانَ حَدَّثَ فِيهِ بِالَّذِي يَعْلَمُ وَالَّذِي يَرٰى، وَإِنْ قَالُوا: لَمْ يَكُنْ قَالَ: فَذَرُوهُ حَتّٰى يَكُوْنَ.

(سنن الدارمی: ص 62 رقم الحدیث 122 باب کراھیۃ الفتیا)

ترجمہ: امام محمد بن مسلم بن شہاب الزہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے جب کسی معاملے میں مسئلہ پوچھا جاتا تو آپ فرماتے، کیا یہ مسئلہ پیش آچکا ہے؟ اگر لوگ کہتے ہاں پیش آچکا ہے، تو آپ اپنے علم اور اپنی رائے کے مطابق جواب دیتے۔ اگر لوگ کہتے ابھی پیش نہیں آیا تو آپ فرماتے: ابھی اس معاملے کو چھوڑ دو یہاں تک کہ پیش آجائے۔

[3]: امام ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی التمیمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت 255ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِيْ خَالِدٍ قَالَ سَمِعْتُ عَامِرًا يَقُوْلُ : اسْتَفْتٰى رَجُلٌ أُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ فَقَالَ : يَا أَبَا الْمُنْذِرِ ! مَا تَقُوْلُ فِي كَذَا وَكَذَا؟ قَالَ : يَا بُنَيَّ! أَكَانَ الَّذِيْ سَأَلْتَنِي عَنْهُ؟ قَالَ : لَا. قَالَ : أَمَّا لَا فَأَجِّلْنِي حَتّٰى يَكُوْنَ فَنُعَالِجَ أَنْفُسَنَا حَتّٰى نُخْبِرَكَ.

(سنن الدارمی: ص68 رقم الحدیث 149)

ترجمہ: اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے امام عامر بن شراحیل الشعبی رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک آدمی نے سیدنا اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: کیا اب تک یہ مسئلہ پیش آچکا ہے؟ اس نے کہا نہیں؛ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک یہ مسئلہ پیش نہیں آجاتا ہمیں راحت سے رہنے دو جب ایسا واقعہ پیش آگیا تو ہم اجتہاد کر کے اپنی رائے تمہیں بتادیں گے"۔

چنانچہ جلیل القدر صحابہ کرام مثلاً: سیدنا عمر بن خطاب (ت 24ھ)، سیدنا عبد اللہ بن عباس (ت 68ھ)، سیدنا معاذ بن جبل (ت 18ھ)، سیدنا عمار بن یاسر (ت 37ھ) اور سیدنا عبد اللہ بن عمر (ت 73ھ) رضی اللہ عنہم صرف انہیں مسائل میں گفتگو فرماتے تھے جو اس وقت در پیش ہوتے۔ یہ حضرات قبل از وقت جزئیات کی تفریع اور واقعات کی قیاس آرائی نہ کیا کرتے، چنانچہ تابعین کا یہ طبقہ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پورے پورے نقش قدم پر چلا۔

قسم دوم:

تابعین کرام رحمہم اللہ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو ظاہر حدیث پر اکتفا نہ کرتے بلکہ ان دلائل میں غور و فکر کر کے نئے مسائل کا استنباط کرتے، پھر ان مسائل کو باقاعدہ مُرتّب کیا کرتے تا کہ ضرورت پڑنے پر بعد میں آنے والوں کے لیے آسانی ہو۔ ان حضرات نے اس مقصد کے لیے اپنے آپ کو مکمل مشغول کر رکھا تھا، ان کے پیشِ نظر بھی مختلف احادیث وآثار تھے۔

[1]: امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَبَايَةَ بْنِ رِفَاعَةَ عَنْ جَدِّهِ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذِي الْحُلَيْفَةِ مِنْ تِهَامَةَ فَأَصَبْنَا غَنَمًا وَإِبِلًا فَعَجِلَ الْقَوْمُ فَأَغْلَوْا بِهَا الْقُدُورَ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ بِهَا فَأُكْفِئَتْ ثُمَّ عَدَلَ عَشْرًا مِنَ الْغَنَمِ بِجَزُورٍ ثُمَّ إِنَّ بَعِيرًا نَدَّ وَلَيْسَ فِي الْقَوْمِ إِلَّا خَيْلٌ يَسِيرَةٌ فَرَمَاهُ رَجُلٌ فَحَبَسَهُ بِسَهْمٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِهَذِهِ الْبَهَائِمِ أَوَابِدَ كَأَوَابِدِ الْوَحْشِ فَمَا غَلَبَكُمْ مِنْهَا فَاصْنَعُوا بِهِ هَكَذَا قَالَ قَالَ جَدِّي يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا نَرْجُو أَوْ نَخَافُ أَنْ نَلْقَى الْعَدُوَّ غَدًا وَلَيْسَ مَعَنَا مُدًى فَنَذْبَحُ بِالْقَصَبِ فَقَالَ: اعْجَلْ أَوْ أَرْنِي مَا أَنْهَرَ الدَّمَ وَذُكِرَ اسْمُ اللهِ عَلَيْهِ فَكُلُوا لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ وَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ.

(صحیح البخاری: رقم الحدیث 2507)

ترجمہ: عَبایہ بن رِفاعہ اپنے دادا حضرت رافع بن خَدِیج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملکِ تہامہ کے مقام ذوالحلیفہ میں تھے، وہاں ہم نے (مالِ غنیمت میں) اونٹ اور بکریاں حاصل کیں، صحابہ کرام نے جلدی جلدی ان کا گوشت ہانڈیوں میں (پکنے کے لیے) چڑھادیا۔ اتنے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان ہانڈیوں کو الٹا دینے کا

حکم دیا تو سب ہانڈیوں کو الٹا دیا گیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں رکھیں۔ اتنے میں ایک اونٹ بھاگ نکلا اور گھڑ سوار بہت کم تھے۔ آخر ایک شخص نے اونٹ کو تیر مار کر روک لیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان پالتو جانوروں میں سے بعض جانور وحشی جانوروں کی طرح حرکتیں کرنے لگتے ہیں، پس جب تم انہیں نہ پکڑ سکو تو ایسا ہی کیا کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ میرے دادا حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے سوال کیا: یا رسول اللہ! ہمیں اندیشہ ہے کہ کل آئندہ دشمن سے ہمارا تصادم ہو گا اور ہمارے پاس چھریاں موجود نہیں ہیں تو کیا ہم دھاری دار لکڑی (بانس یا کانے کا تیز چھلکا) سے ذبح کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی کرو اور جو چیز بھی خون بہادے (اسی سے ذبح کر ڈالو) اگر اس پر اللہ کا نام پڑھا جائے تو اسے کھاؤ البتہ دانت اور ناخن سے ذبح نہ کرو اور اس کی وجہ میں یہ بیان کرتا ہوں کہ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے۔

فائدہ: "أَرْنِي" کا لفظ امر ہے باب افعال أَرْنَى . يُرْنِيْ . اِرْنَاءً سے۔ اس کا امر اصل میں "أَرْنِ" ہے، آخر میں "یاء" کا اضافہ اِشباع (لفظ کو کھینچ کر پڑھنے) کی وجہ سے ہے۔ یہ بھی "اعْجَلْ" کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے: جلدی کرنا۔

[2]: امام ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیری النیشاپوری رحمہ اللہ (ت 261ھ) روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَائِلٍ الْحَضْرَمِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَأَلَ سَلَمَةُ بْنُ يَزِيدَ الْجُعْفِيُّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: يَا نَبِيَّ اللهِ! أَرَأَيْتَ إِنْ قَامَتْ عَلَيْنَا أُمَرَاءُ يَسْأَلُونَا حَقَّهُمْ وَيَمْنَعُونَا حَقَّنَا فَمَا تَأْمُرُنَا؟ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ سَأَلَهُ فِي الثَّانِيَةِ أَوْ فِي الثَّالِثَةِ فَجَذَبَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ وَقَالَ: اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا فَإِنَّمَا عَلَيْهِمْ مَا حُمِّلُوا وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ.

(صحیح مسلم: رقم الحدیث 1846)

ترجمہ: حضرت علقمہ بن وائل رضی اللہ عنہ اپنے والد (حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: حضرت سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ! اگر ہمارے اوپر ایسے امراء مسلط ہو جائیں جو ہم سے اپنا حق وصول کریں اور ہمارا حق ہم سے روک لیں تو اس بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ (کیا ہم ان سے جنگ کر سکتے ہیں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد نہیں فرمایا، پھر حضرت سلمہ بن یزید رضی اللہ عنہ نے یہی سوال دوسری اور تیسری مرتبہ دہرایا تو حضرت اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنی طرف کھینچ لیا (اور کہا ایسی چیز کے بارے میں کیوں بار بار سوال کر رہے ہو جو ابھی تک پیش نہیں آئی)۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم ان کی بات سنو اور تابعداری کرو، تم پر وہ بوجھ ہو گا جو تم نے اٹھایا اور ان پر وہ بوجھ ہو گا جو انہوں نے اٹھایا۔

استدلال:

پہلی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور دوسری میں حضرت سلمہ بن یزید کو منع نہیں فرمایا کہ تم ایسی بات کیوں پوچھتے ہو جو ابھی تک پیش نہیں آئی۔ اگر یہ عمل نامناسب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ان کے سوال پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے، لیکن اس کے بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا شرعی حل بتایا۔ معلوم ہوا کہ کسی مسئلہ کے وقوع سے قبل اس کا حل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

فائدہ:

جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان مسائل پر گفتگو سے احتراز فرمایا کرتے تھے جو ابھی پیش نہ آئے ہوں تو ان کا مقصود یہ تھا کہ جو مسائل ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے، ان پر ذہنی مشقت کرنا، وقت صرف کرنا یا صلاحیتیں کھپانا مناسب نہیں؛ بلکہ عقل و وقت کی پوری توانائی اُن مسائل کے فہم و حل پر مرکوز ہونی چاہیے جو بالفعل درپیش ہیں اور جن میں امت شرعی رہنمائی کی متقاضی ہے۔

جبکہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو ان مسائل پر بھی قبل از وقت غور و فکر کے قائل تھے جو ابھی واقع نہیں ہوئے؛ ان کی رائے میں کسی ممکنہ مسئلہ پر پیشگی اجتہاد اور اس کا متصور حل تجویز کر لینا بھی احتیاط کا ایک دروازہ ہے۔ ان حضرات کے نزدیک یہ طرزِ فکر عوام کے لیے سہولت کا باعث اور پیش آمدہ اشکالات سے قبل ہی راہنمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

لہٰذا ان دونوں موقف رکھنے والے فریقین کے درمیان جو اختلاف نظر آتا ہے، وہ در حقیقت نزاعِ حقیقی نہیں، بلکہ نزاعِ لفظی ہے، کیونکہ دونوں کا مطمحِ نظر دینی فہم، احتیاط، اور امت کی بھلائی ہی ہے، اگرچہ اس کے اظہار کا طریقہ مختلف ہے۔

امام ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت 463ھ) فرماتے ہیں:

فَهٰذَا مَا تَعَلَّقَ بِهٖ مَنْ مَنَعَ مِنَ الْكَلَامِ فِي الْحَوَادِثِ قَبْلَ نُزُوْلِهَا , وَنَحْنُ نُجِيْبُ عَنْهُ بِمَشِيْئَةِ اللهِ وَعَوْنِهٖ : أَمَّا كَرَاهَةُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَسَائِلَ , فَإِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ إِشْفَاقاً عَلٰى أُمَّتِهٖ وَرَأْفَةً بِهَا , وَتَحَنُّناً عَلَيْهَا , وَتَخَوُّفاً أَنْ يُحَرِّمَ اللهُ عِنْدَ سُؤَالِ سَائِلٍ أَمْراً كَانَ مُبَاحاً قَبْلَ سُؤَالِهٖ عَنْهُ , فَيَكُوْنُ السُّؤَالُ سَبَباً فِيْ حَظْرِ مَا كَانَ لِلْأُمَّةِ مَنْفَعَةٌ فِيْ إِبَاحَتِهٖ , فَتَدْخُلُ بِذٰلِكَ الْمَشَقَّةُ عَلَيْهِمْ وَالْإِضْرَارُ بِهِمْ .... وَهٰذَا الْمَعْنٰى قَدِ ارْتَفَعَ بِمَوْتِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ , وَاسْتَقَرَّتْ أَحْكَامُ الشَّرِيْعَةِ , فَلَا حَاظِرَ وَلَا مُبِيْحَ بَعْدَهٗ."

(الفقیہ والمتفقہ للخطیب: رقم الحدیث 621، 623)

ترجمہ: یہ وہ دلائل ہیں جن سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جو مسائل پیش آنے سے قبل ان میں گفتگو کرنے سے منع کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ان کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر شفقت اور انتہائی مہربانی کی وجہ سے ایسے مسائل میں گفتگو کرنے کو ناپسند فرمایا کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس بات کا اندیشہ موجود تھا کہ ایک چیز حلال ہو مگر کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اسے حرام کر دیں، تو یہ سوال ایک ایسی چیز کی حرمت کا ذریعہ بن جائے گا جو امت کے لئے فائدہ مند تھی، اور اس سوال کی وجہ سے امت پر مشقت اور ضرر لاحق ہو جائے گا ...... تو اب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کی وجہ سے یہ اندیشہ ختم ہو گیا کیوں کہ شرعی احکام طے ہو چکے ہیں، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو شرعی احکام کو حلال یا حرام قرار دے سکے۔

بلادِ مختلفہ کے معروف فقہاء

مدینہ منوّرہ:

مدینہ منوّرہ میں سات افراد معروف تھے انہیں "فقہاءِ سبعہ" بھی کہا جاتا ہے، وہ یہ ہیں۔

1: حضرت سعید بن المسیب بن حزن بن ابی وھب رحمہ اللہ (ت:94ھ)

2: حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف رحمہ اللہ (ت:94ھ)

3: حضرت عروہ بن زبیر بن العوّام رحمہ اللہ (ت:93یا95ھ)

4: حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود رحمہ اللہ (ت:98یا99ھ)

5: حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رحمہ اللہ (ت:99یا100ھ)

6: حضرت سلیمان بن یسار ابو ایوب رحمہ اللہ مولیٰ ام المؤمنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنھا (ت:104یا107ھ)

7: حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ (ت:106یا108ھ)

بعض حضرات نے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن کی جگہ ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث (ت:94یا95ھ) کو شمار کیا ہے کچھ حضرات نے ان فقہاءِ سبعہ کو ایک شعر میں یوں یکجا کیا ہے۔

اَلَا كُلُّ مَنْ لَّا يَقْتَدِىْ بِاَئِمَّةٍ
فَقِسْمَتُهٗ ضِيْزٰى عَنِ الْحَقِّ خَارِجَه
فَخُذْهُمْ عُبَيْدُ اللهِ، عُرْوَةُ، قَاسِمٌ
سَعِيْدٌ، اَبُوْبَكْرٍ، سُلَيْمَانُ، خَارِجَه

ترجمہ: خبردار! جو شخص بھی ائمہ کی پیروی نہیں کرتا تو اس کی تقسیم ظالمانہ اور ناحق پر مبنی ہے، یہ ائمہ عبید اللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابو بکر، سلیمان اور خارجہ رحمھم اللہ ہیں، ان کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔

(اصول الافتاء وآدابہ از مفتی محمد تقی عثمانی: ص45)

اور بعض حضرات نے فقہاءِ سبعہ کو یوں جمع کیا ہے:

اِذَا قِيْلَ : مَنْ فِي الْعِلْمِ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ
رِوَايَتُهُمْ لَيْسَتْ عَنِ الْعِلْمِ خَارِجَه
فَقُلْ: هُمْ عُبَيْدُ اللهِ، عُرْوَةُ، قَاسِمٌ
سَعِيْدٌ، اَبُوْبَكْرٍ، سُلَيْمَانُ خَارِجَه

ترجمہ: جب پوچھا جائے کہ علم کے سات سمندر کون سے ہیں؟ جن کی روایات علم سے ذرا بھی ہٹ کر نہیں ہوتیں۔

تو تم کہہ دو کہ وہ عبید اللہ، عروہ، قاسم، سعید، ابو بکر، سلیمان اور خارجہ رحمھم اللہ ہیں۔

(اعلام الموقعین للامام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ: ج1 ص48)

فائدہ: پہلے مصرع میں "خارجہ" لغوی معنی میں مستعمل ہے اور دوسرے میں "خارجہ" کا عَلَمی معنی مراد ہے۔

فقہاءِ سبعہ کے بعد مدینہ منورہ میں یہ حضرات فتویٰ دینے میں معروف ہوئے۔

(1)حضرت علی بن حسین زین العابدین(ت:94یا95ھ)

(2) حضرت ابان بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم(ت:105ھ)

(3) حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر (ت:106ھ)

(4) حضرت ابو جعفر الباقر(ت:114ھ)

(5)حضرت ابو بکر محمد بن مسلم بن شہاب زہری(ت:124ھ)

(6)حضرت ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان(ت:130ھ)

(7)حضرت عبد الرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر(ت: 131 یا136ھ)

(8)حضرت ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن(ربیعۃ الرائے)(ت:136ھ)

(9)حضرت قاضی یحییٰ بن سعید(ت:144ھ)

(10)حضرت نافع(ت:169ھ)،رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مکہ مکرمہ:

مکہ مکرمہ میں جو حضرات فتویٰ دینے مشہور ہوئے،ان میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

(1)حضرت طاؤس بن کیسان الجندی(ت:105یا106ھ)

(2) حضرت عطاء بن ابی رباح(ت:114ھ یا115ھ)

(3) حضرت عبد اللہ بن ابی مُلیکہ(ت:117ھ)

(4)حضرت ابو زبیر مکی(ت:126ھ)

(5)حضرت عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج(ت:49،50یا51ھ)

(6)حضرت مسلم بن خالد بن قدقدہ الزنجی(ت:180ھ)

(7)حضرت سفیان بن عیینہ بن ابی عمران(ت:198ھ)

(8)حضرت سعید بن سالم القداح(ت: قبل200ھ)

(9)حضرت محمد بن ادریس الشافعی(ت:204ھ)

(10)حضرت عبد اللہ بن زبیر الحُمیدی(ت:219ھ)

(11)حضرت ابراہیم بن محمد بن عباس بن عثمان بن شافع الشافعی(ت:237یا238ھ)(یہ امام شافعی کے چچازاد بھائی تھے)رحمہم اللہ تعالیٰ۔

یمن:

(1)حضرت طاؤس بن کیسان الجندی(ت:105یا106ھ)

(2)حضرت وھب بن مُنَبِّہ الصنعانی(ت:114ھ)

(3)حضرت یحییٰ بن ابی کثیر (ت:132ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

شام:

(1)حضرت ابو ادریس الخولانی (ت:80ھ)

(2)حضرت عمر بن عبد العزیز بن مروان بن حکم (ت:101ھ)

(3)حضرت رجاء بن حَیْوہ الکندی (ت:112ھ)

(4) حضرت مکحول بن ابی مسلم (ت:112یا113ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

اندلس:

درج ذیل مفتیان وفقہاء کرام معروف تھے:

(1)حضرت منذر بن سعید (ت:60ھ)

(2)حضرت قاسم بن محمد (صاحب الوثائق) (ت:104ھ)

(3)حضرت یحییٰ بن یحییٰ (ت:236ھ)

(4)حضرت عبد الملک بن حبیب (ت:258ھ)

(5)حضرت مسلمہ بن عبد العزیز القاضی (ت:319ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

مصر:

(1)حضرت ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ الیزنی (ت:90ھ)

(2)حضرت یزید بن ابی حبیب (ت:128ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ

یہ دونوں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (ت:73یا74ھ) کے تلامذہ میں سے تھے۔

بصرہ:

چند نام وَر شخصیات کے نام درج ذیل ہیں:

(1) حضرت ابو عبد اللہ مسلم بن یسار البصری (ت:100ھ)

(2)حضرت حسن بصری (ت:110ھ)

(3)حضرت محمد بن سیرین (ت:110ھ)

(4) حضرت حسن بن ابو الحسن یسار مولیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (ت:110ھ)

(5)حضرت قتادہ بن دعامہ السدوسی (ت:118ھ)

(6)حضرت ایاس بن معاویۃ القاضی (ت:120ھ)

(7)حضرت حفص بن سلیمان (ت:130ھ)

(8) حضرت ابو ایوب سختیانی (ت:131ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

کوفہ:

کوفہ میں بہت سے نام وَر اور نابغہ زمانہ شخصیات مسندِ اِفتاء وقضاء پر جلوہ افروز تھیں، چند ایک کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(1) حضرت مسروق بن الاجدع (ت:62یا63ھ)

(2) حضرت عَمْرو بن شَرَحْبِیْل الھمدانی (ت:63ھ)

(3) حضرت علقمہ بن قیس النخعی (ت:73ھ)

(4) حضرت اسْود بن یزید (ت:74ھ)

(5) حضرت عَمرو بن میمون الاَودی (ت:74ھ)

(6) حضرت عبد الرحمٰن بن عبد اللہ بن مسعود (ت:79ھ)

(7) حضرت قاضی شریح بن الحارث (ت:82ھ)

(8) حضرت سعید بن جُبَیر (ت:95ھ)

(9) حضرت ابراہیم بن یزید بن قیس ابو عمران النخعی الکوفی (ت:96ھ)

(10) حضرت ابو عبیدہ بن عبد اللہ بن مسعود (ت:98یا99ھ)

(11) حضرت عامر بن شراحِیْل الشعبی (ت:104ھ)

(12) حضرت حماد بن ابی سلیمان (ت:120/119ھ)

(13) حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ (ت:148ھ)

(14) حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (ت:150ھ)

(15) حضرت وکیع بن الجراح (ت:196یا197ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان کے علاوہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب وتلامذہ بھی اہلیانِ کوفہ کو زیورِ تعلیم سے آراستہ فرماتے رہے، مثلاً:

(1) حضرت عافیہ القاضی (ت:140ھ)

(2) حضرت زُفَر بن ھُذیل (ت:158ھ)

(3) حضرت امام حماد بن ابی حنیفہ (ت:170ھ)

(4) حضرت امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم القاضی (ت:182ھ)

(5) حضرت نوح بن دراج (ت:182ھ)

(6) حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی (ت:189ھ)

(7) حضرت امام حسن بن زیاد (ت:204ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ نمبر1:

امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر بن ایوب ابنِ قیم الجوزیہ (ت:751ھ) رحمہ اللہ مفتیانِ کوفہ میں سے بعض کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَهٰؤُلَآءِ اَصْحَابُ عَلِيٍّ وَابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا

ترجمہ: یہ سب سیدنا علی المرتضیٰ (ت:40ھ) اور سیدنا عبداللہ بن مسعود (ت:32ھ) رضی اللہ عنہما کے صحبت یافتہ تھے۔

وَاَكَابِرُ التَّابِعِيْنَ كَانُوْا يُفْتُوْنَ فِي الدِّيْنِ وَيَسْتَفْتِيْهِمُ النَّاسُ وَاَكَابِرُ الصَّحَابَةِ حَاضِرُوْنَ يُجَوِّزُوْنَ لَهُمْ ذَالِكَ ، وَاَكْثَرُهُمْ اَخَذَ عَنْ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ

ترجمہ: بڑے بڑے تابعین کرام رحمہم اللہ سے لوگ دین کے مسائل کے بارے میں سوالات پوچھتے تو وہ ان کو جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں فتویٰ دیتے تھے تو یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی تائید فرماتے تھے۔ ان تابعین کرام میں سے اکثر ایسے تھے جنہوں نے سیدنا عمر فاروق (ت:24ھ)، ام المؤمنین سیدہ عائشہ (ت:57ھ) اور سیدنا علی المرتضیٰ (ت:40ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے علمی فیض لیا تھا۔

فائدہ نمبر 2:

ان تمام حضرات کے فتاویٰ کا بڑا حصہ مختلف مؤطات، مصنَّفات، مسْنَدات اور سُنَن کی کتابوں میں موجود ہے۔

(أعلام الموقعین للامام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ: 1/ 47 تا 57، ادارۃ الشؤون الاسلامی)

(اصول الافتاء وآدابہ للشیخ المفتی محمد تقی العثمانی حفظہ اللہ: ص:46 تا 48 ، مکتبہ معارف القرآن)

فائدہ نمبر 3:

مؤطّات و مصنَّفات

1: مؤطا اور مصنَّف حدیث کی ایسی کتب کو کہتے ہیں جن کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق ہو۔

2: ان میں مرفوع کے ساتھ موقوف و مقطوع احادیث بھی جمع کی گئی ہوں

یعنی ان کتابوں میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمہم اللہ کے فتاویٰ بھی مذکور ہوں۔

3: مؤطات میں زیادہ معروف یہ دو کتابیں ہیں:

ا: مؤطا امام مالک بن انس رحمہ اللہ (ت:179ھ)

۲: مؤطا امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ (ت:189ھ)

4: مصنَّفات میں زیادہ مشہور یہ دو کتابیں ہیں:

ا: مصنف عبد الرزاق۔ مام ابو بکر عبد الرزاق بن ہمّام بن نافع الصنعانی رحمہ اللہ (ت:211ھ)

۲: مصنف ابنِ ابی شیبہ۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (ت:235ھ)

مسنَدات

1: مسند حدیث پاک کی ایسی کتاب کو کہتے ہیں جس میں ہر صحابی سے منقول روایات کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہو۔

2: یہ ترتیب کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی کے حروف تہجی کے لحاظ سے ہوتی ہے اور کبھی ان کے باہمی فضائل و مراتب کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

3: مسندات کی جگہ مسانید کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے۔

4: چند معروف مسندات کے نام درج ذیل ہیں:

ا: مسند ابی حنیفہ: یہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (ت:150ھ) سے مروی احادیث کا مجموعہ ہے، اس کی شرح امام علی بن سلطان القاری الحنفی رحمہ اللہ (ت:1014ھ) نے "شرح مسند ابی حنیفہ رحمہ اللہ" کے نام سے تحریر فرمائی ہے۔

۲: مسند الحُمَیدی: اس کے مصنف امام حافظ ابو بکر عبد اللہ بن زبیر الحمیدی رحمہ اللہ (ت:219ھ) ہیں۔

۳: مسند اسحاق بن راھَوَیہ: یہ امام اسحاق بن ابراہیم بن مَخلَد المرْوزی رحمہ اللہ (ت:238ھ) کی تصنیف ہے۔

۴: مسند امام احمد: اس کے مصنف امام احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ (ت:241ھ) ہیں۔

۵: مسند ابی یعلیٰ: امام ابو یعلیٰ احمد بن علی بن المثنیٰ الموصلی رحمہ اللہ (ت:307ھ) اس کے مصنف ہیں۔

۶: مسند الصحابہ: اسے "المسند الرویانی" بھی کہا جاتا ہے۔ اس کے مصنف امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی الرازی رحمہ اللہ (ت:307ھ) ہیں۔

۷: مسند ابی عوانہ المسمّٰی المسند الصحیح: امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیشابوری رحمہ اللہ (ت:316ھ) اس کے مصنف ہیں۔

السُنَن

1: ایسی کتب حدیث جن میں فقہی ترتیب سے احادیث مبارکہ درج کی گئی ہوں۔

2: عموماً ان میں مرفوع احادیث ہی مذکور ہوتی ہیں البتہ ان میں عقائد، مناقب، غزوات اور تفسیر سے متعلق روایات نہیں ہوتیں۔

3: سُنَن کی تعداد کافی زیادہ ہے، چند ایک کے نام درج ذیل ہیں:

ا: سنن الشافعی: امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (ت:204ھ)

۲: سنن الدارمی: امام حافظ عبد اللہ بن عبد الرحمٰن الدارمی السمرقندی رحمہ اللہ (ت:255ھ)

۳: سنن ابنِ ماجہ: امام حافظ ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابنِ ماجہ القزوینی رحمہ اللہ (ت:273ھ)

۴: سنن ابی داوٗد: امام حافظ ابو داوٗد سلیمان بن اشعث السِّجِستانی رحمہ اللہ (ت:275ھ)

۵: سنن النَّسائی: امام حافظ ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النَّسائی رحمہ اللہ (ت:303ھ)

۶: السنن الکبریٰ: امام حافظ ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب النَّسائی رحمہ اللہ (ت:303ھ)

۷: سنن الدَّارقطنی: امام حافظ علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ (ت:385ھ)

۸: السنن الکبریٰ: امام حافظ ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ (ت458ھ)

۹: السنن الصغریٰ: امام حافظ ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ (ت458ھ)

۱۰: آثار السنن: علامہ امام محمد بن علی النّیموی رحمہ اللہ (ت:1322ھ)

فائدہ:مؤطّا، مصنَّف اور سنن میں فرق

موطّا، مصنّف اور سنن؛ تینوں اصنافِ حدیث اگرچہ فقہی ابواب کی ترتیب پر مشتمل ہوتی ہیں، لیکن ان کا منہج، مقصد اور طرزِ تصنیف ایک دوسرے سے نمایاں طور پر مختلف ہوتا ہے۔

❶ موطّا:

وہ حدیثی مجموعہ جو فقہی ابواب پر مرتب ہو، اور جس میں احادیث کے انتخاب میں مؤلف کا اجتہادی ذوق، ترجیحی منہج اور خاص فقہی رجحان نمایاں ہو۔ اس میں اپنے شہر کا تعامل، مرسل روایات اور فقہی ترتیب کے ساتھ ساتھ مؤلف کی رائے کی جھلک بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

❷ مصنّف:

ایسی کتاب جو فقہی ترتیب پر تو ہو، مگر اس میں احادیث، آثارِ صحابہ، اقوالِ تابعین اور مختلف آرا کو بلا ترجیح، جامع انداز میں نقل کیا گیا ہو۔ اس کا مقصد اجتہاد نہیں بلکہ مواد فراہم کرنا ہوتا ہے۔

❸ سنن:

وہ مجموعہ جس میں احادیثِ احکام کو فقہی ابواب کے تحت جمع کیا گیا ہو، تاکہ عملی مسائل میں براہِ راست نبوی دلائل تک رسائی ہو۔ اس میں مرتِّب کی ترجیح کم اور فقہی رہنمائی زیادہ مقصد ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ:

موطّا: اجتہادی منہج + منتخب روایات + مؤلف کی ترجیحات

مصنّف: جامع روایتی مواد + آثار و اقوال + بلا ترجیح ترتیب

سنن: احادیثِ احکام + فقہی ابواب + عملی رہنمائی

فائدہ نمبر 4:

درج بالا محدثین کرام رحمہم اللہ کے اسماء گرامی ان کی تاریخِ وفات کے لحاظ سے درج کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات ایسے ہیں جو مقبولیت اور مرتبہ میں مقدم ہیں لیکن وفات کے اعتبار سے مؤخر ہیں، اسی طرح بعض حضرات مقبولیت اور مرتبہ میں مؤخر ہیں لیکن وفات کے اعتبار سے مقدم ہیں، ہم نے یہاں تاریخِ وفات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وفقہاءِ عِظام رحمہم اللہ میں اختلاف کے اسباب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فقہ مدوّن نہ تھی اور جس طرح بعد کے فقہاء نے احکام میں بحث وتمحیص کے بعد جزئیات کو مستنبط کیا، مثلاً: ہر چیز کے ارکان، آداب اور شروط وغیرہ بیان کیے، یہ چیزیں پہلے نہ تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر وضو فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ منظر دیکھتے تو فرض اور رکن وغیرہ کی وضاحت کے بغیر اسے اختیار کر لیتے۔ اس سے بحث نہ کرتے کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار؟

عہدِ رسالت میں تعلیمِ دین کا یہ طریقہ تھا کہ لوگوں کو جو کوئی مسئلہ پیش آتا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی راہنمائی فرمادیتے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عمل کرتے یا کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے دیکھ یا سن کر اختیار کر لیتے، یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کوئی عمل کیا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جاتی، وہ عمل ٹھیک ہوتا تو توثیق؛ غلط ہوتا تو تردید فرمادیتے۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتّٰی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

اس کے بعد عہدِ صدیقی وفاروقی میں بھی ایسا ہوتا رہا، آپ حضرات کو مسئلے کا علم ہوتا تو بتا دیتے، علم نہ ہوتا تو لوگوں سے کہتے "اس مسئلہ کے بارے میں آپ میں سے کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو تو بیان کرو" پھر جو حدیث سامنے آتی اس پر عمل کیا جاتا۔ جیسا کہ جدّہ کی میراث کے بارے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلے علم نہ تھا، چنانچہ جب یہ مسئلہ پیش آیا تو (ظہر کی نماز کے بعد) آپ نے اعلان فرمایا: "تم میں سے کسی نے جدّہ کی میراث سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا"؟

سیدنا مغیرہ بن شعبہ الثقفی رضی اللہ عنہ (ت:50ھ) نے فرمایا جی میں نے سنا ہے، فرمایا کیا سنا؟ عرض کی؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جدہ کو سدس عطا فرمایا تھا۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا کسی اور نے بھی سنا؟ تو سیدنا محمد بن مَسْلَمَہ الانصاری الحارثی رضی اللہ عنہ (ت:43،46ھ) نے کہا، جی میں نے بھی یہی سنا (یعنی سدس دیا تھا جدہ کو) اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جدّہ کو سدس عطا فرمایا۔ حضرت قبیصہ بن ذؤیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

جَاءَتِ الْجَدَّةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ تَسْأَلُهُ مِيرَاثَهَا فَقَالَ مَا لَكِ فِي كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءٌ وَمَا عَلِمْتُ لَكِ فِي سُنَّةِ نَبِيِّ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم شَيْئًا فَارْجِعِي حَتَّى أَسْأَلَ النَّاسَ. فَسَأَلَ النَّاسَ فَقَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ حَضَرْتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَعْطَاهَا السُّدُسَ. فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ هَلْ مَعَكَ غَيْرُكَ فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ الْمُغِيرَةُ بْنُ شُعْبَةَ فَأَنْفَذَهُ لَهَا أَبُو بَكْرٍ

(سنن ابی داؤد: کتاب الفرائض: رقم الحدیث: 2894)

ترجمہ: ایک "جدہ" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور میراث میں سے اپنے شرعی حصے کے بارے میں دریافت کیا، آپ نے فرمایا: کتاب اللہ میں تیرے حصے کے متعلق کوئی صراحت نہیں اور سنت رسول اللہ میں اس بارے میں مجھے کچھ علم نہیں، ابھی تو واپس چلی جا تا کہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بارے میں دریافت کر لوں۔ پس آپ نے صحابہ کرام سے پوچھا تو حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں (ایک موقع پر) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھا تو آپ نے جدہ کو سدس عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی تھا؟ حضرت محمد بن مسلمہ کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی

ویسے فرمایا جیسے حضرت مغیرہ بن شعبہ نے فرمایا تھا (یعنی آپ نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے بیان کی تصدیق فرمائی) یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "جدہ" کے لیے سدس کا فیصلہ صادر فرمایا۔

جب کوئی چیز سامنے آتی ہے تو دیکھنے یا سننے والا اسے دیکھ یا سن کر اندازہ لگالیتا ہے کہ یہ چیز ضروری ہے یا نہیں، دیکھنے والے دیکھ کر اپنے ذہن کے مطابق اس پر عمل کرتے ہیں۔ جیسے دیہاتی ماحول میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ بات اشاروں سے کرتے ہیں۔ یہ اشارہ فلاں بات کا ہے یہ اشارہ مذاق کا ہے، یہ انکار کا ہے۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں یہ مسئلہ درج ہے کہ اگر باکرہ لڑکی کا نکاح ہو رہا ہو اور بوقتِ ایجاب وہ خاموش رہے یا مسکرا پڑے تو یہ رضامندی کی علامت ہے، اگر وہ زور سے ہنس پڑے یا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے تو یہ انکار کی دلیل ہے۔ مطلب یہ کہ اشاروں کا بھی بہت بڑا دخل ہوتا ہے۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل اور اندازِ گفتگو کو دیکھتے تو سمجھ جاتے کہ یہ کام ضروری ہے یا نہیں، پھر اس کے مطابق عمل کرتے۔ بعد کے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی طرزِ عمل کو دیکھ کر اصطلاحات وضع کیں۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کسی عمل کو ضروری سمجھا تو فقہاء عظام رحمہم اللہ نے فرض، واجب اور رکن کی اصطلاح وضع کی۔ اسی طرح درجہ بہ درجہ اصطلاحات وضع کی گئیں۔

امام احمد بن عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ مُحَدِّث دہلوی رحمہ اللہ (ت:1176ھ) فرماتے ہیں:

"اِعْلَمْ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنِ الْفِقْهُ فِيْ زَمَانِهِ الشَّرِيْفِ مُدَوَّناً ، وَلَمْ يَكُنِ الْبَحْثُ فِيْ الأَحْكَامِ يَوْمَئِذٍ مِثْلَ الْبَحْثِ مِنْ هٰؤُلآءِ الْفُقَهَاءِ حَيْثُ يُبَيِّنُوْنَ بِأَقْصٰى جُهْدِهِمِ الْأَرْكَانَ وَالشُّرُوْط وَآدَابَ كُلِّ شَيْءٍ مُمْتَازًا عَنِ الْآخَرِ بِدَلِيْلِه ، وَيَفْرِضُوْنَ الصُّوَرَ يَتَكَلَّمُوْنَ عَلٰى تِلْكَ الصُّوَرِ الْمَفْرُوْضَةِ ، وَيَحِدُّوْنَ مَا يَقْبَلُ الْحَدَّ، وَيُحْصِرُوْنَ مَا يَقْبَلُ الْحَصْرَ إِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ صَنَائِعِهِمْ ، أَمَّا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يَتَوَضَّأُ ، فَيَرَى الصَّحَابَةُ وُضُوْءَهُ ، فَيَأْخُذُوْنَ بِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُّبَيِّنَ أَنَّ هٰذَا رُكْنٌ وَذٰلِكَ أَدَبٌ ، وَكَانَ يُصَلِّيْ ، فَيَرَوْنَ صَلَاتَهُ ، فَيُصَلُّوْنَ كَمَا رَأَوْهُ يُصَلِّيْ ، وَحَجَّ ، فَرَمَقَ النَّاسُ حَجَّهُ ، فَفَعَلُوْا كَمَا فَعَلَ ، فَهٰذَا كَانَ غَالِبُ حَالِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلَمْ يُبَيِّنْ أَنَّ فُرُوْضَ الْوُضُوْءِ سِتَّةٌ أَوْ أَرْبَعَة ، وَلَمْ يَفْرِضْ أَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَّتَوَضَّأَ إِنْسَانٌ بِغَيْرِ مُوَالَاةٍ حَتّٰى يُحْكَمَ عَلَيْهِ بِالصِّحَّةِ أَوِ الْفَسَادِ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ ، وَقَلَّمَا كَانُوْا يَسْأَلُوْنَهُ عَنْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ "۔

(حجۃ اللہ البالغۃ، باب اسباب اختلاف الصحابۃ والتابعین فی الفروع، ص:140)

ترجمہ: جان لیجیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں فقہ مدوّن نہ ہوئی تھی۔ اس زمانہ میں احکام (شرعیہ) کے بارے میں ایسی ابحاث نہیں ہوتی تھیں جیسی ابحاث موجودہ (دور کے) فقہاء کرام کرتے ہیں۔ یہ فقہاء کرام انتہائی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ ہر چیز کے ارکان، شروط اور آداب کو دلائل کے ساتھ الگ الگ بیان کرتے ہیں اور (مسائلِ شرعیہ کی) نئی نئی صورتیں فرض کرکے ان مفروضہ صورتوں میں (مجتہدانہ) کلام کرتے ہیں، (ان میں سے) جو تعریف کے قابل ہوتے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں جو قابلِ حصر ہوتے ہیں ان کا حصر بیان کرتے ہیں، اس جیسی ان کی دیگر مصروفیات ہیں۔

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ وضو فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو وضو کرتے ہوئے دیکھتے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر عمل پیرا ہو جاتے، اس بات کی وضاحت کیے بغیر کہ یہ عمل رکن ہے یا ادب ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسے دیکھتے پھر جیسی نماز وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے دیکھتے

اسی طرح پڑھتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج ادا فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو حج (کے افعال) ادا کرتے دیکھا، جیسے آپ نے افعال حج ادا کیے ویسے ہی انہوں نے کیے۔

چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر عادت مبارکہ یہی تھی۔ آپ نے کبھی بیان نہیں فرمایا کہ وضو کے فرض چھ ہیں یا چار ہیں، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس احتمالی صورت کو فرض کیا کہ ممکن ہے کوئی بندہ تسلسل کے ساتھ وضو نہ کرے تا کہ اس پر (وضو کے) صحت یا فساد کا حکم لگایا جائے۔ الّا ماشاء اللہ (مگر جو اللہ نے چاہا اس قدر) اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان باتوں کے بارے میں بہت کم دریافت کیا کرتے تھے۔

تنبیہ: یہ بات یاد رہے کہ اصل دار و مدار تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال پر ہے۔ مگر عہدِ رسالتِ مآب میں چونکہ اصطلاحات وضع نہیں ہوئی تھیں اس لیے ان افعال و اقوال کی مراد کے سمجھنے میں اختلاف کی وجہ سے فروعی اختلاف ہوتا رہا ہے۔ چنانچہ وہ اسباب جن کی وجہ سے فروعی اختلافات وقوع پذیر ہوئے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

سبب نمبر 1:

ایک صحابی نے کسی مسئلہ سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتویٰ سنا، دوسرے نے نہیں سنا، جس نے سنا وہ اس پر عمل کرے گا اور آگے بتائے گا۔ جس نے نہیں سنا وہ اس مسئلہ میں خوب غور و فکر کرے گا اور اس کا حل نکالنے کے لیے اجتہاد کرے گا۔ اب مجتہد کے اس اجتہاد کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی صورت:

مجتہد کا یہ اجتہاد حدیث کے موافق ہو۔

مثال:

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ لوگ آئے، یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک عورت کا نکاح ہوا، مہر مقرر نہ تھا اور رخصتی سے قبل شوہر فوت ہو گیا، اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے مسئلے میں کیا فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ برابر اس مسئلے میں کئی دنوں تک غور و فکر کرتے رہے، آخر خوب غور و فکر کے بعد یہ جواب دیا کہ اس عورت کو مہر مثلی ملے گا، چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور میراث کی حق دار بھی ہو گی۔ جب آپ نے یہ جواب دیا تو سیدنا مَعقِل بن سِنان الاشجعی رضی اللہ عنہ (ت:63ھ) نے کھڑے ہو کر کہا کہ ایک عورت "بِرُوَعْ بنتِ واشق" کا اسی طرح کا مسئلہ پیش آیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بالکل اسی طرح کا فیصلہ فرمایا تھا (یعنی آپ کا جواب حدیث کے موافق ہے) یہ سن کر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بے انتہا خوش ہوئے۔

حضرت علقمہ بن قیس النخعی (ت:73ھ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ت:32ھ) سے روایت فرماتے ہیں:

أَنَّهُ أَتَاهُ قَوْمٌ فَقَالُوا إِنَّ رَجُلًا مِنَّا تَزَوَّجَ امْرَأَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا صَدَاقًا وَلَمْ يَجْمَعْهَا إِلَيْهِ حَتَّى مَاتَ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ مَا سُئِلْتُ مُنْذُ فَارَقْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ عَلَيَّ مِنْ هَذِهِ فَأْتُوا غَيْرِي فَاخْتَلَفُوا إِلَيْهِ فِيهَا شَهْرًا ثُمَّ قَالُوا لَهُ فِي آخِرِ ذَلِكَ مَنْ نَسْأَلُ إِنْ لَمْ نَسْأَلْكَ وَأَنْتَ مِنْ جِلَّةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهَذَا الْبَلَدِ وَلَا نَجِدُ غَيْرَكَ قَالَ سَأَقُولُ فِيهَا بِجَهْدِ رَأْيِي فَإِنْ كَانَ صَوَابًا فَمِنَ اللَّهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَإِنْ كَانَ خَطَأً فَمِنِّي وَمِنَ الشَّيْطَانِ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ

مِنْهُ بُرَآءُ أُرَى أَنْ أَجْعَلَ لَهَا صَدَاقَ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَلَهَا الْمِيرَاثُ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا قَالَ وَذَلِكَ بِسَمْعِ أُنَاسٍ مِنْ أَشْجَعَ فَقَامُوا فَقَالُوا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَضَيْتَ بِمَا قَضَى بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي امْرَأَةٍ مِنَّا يُقَالُ لَهَا بَرْوَعُ بِنْتُ وَاشِقٍ قَالَ فَمَا رُئِيَ عَبْدُ اللّٰهِ فَرِحَ فَرْحَةً يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِإِسْلَامِهِ

(سنن النسائی: للامام حافظ ابوعبد الرحمٰن احمد بن شعیب النّسائی رحمہ اللہ، ت: 303 ھ: کتاب النکاح: رقم الحدیث: 3358)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کسی قوم کے چند افراد حاضر ہوئے اور کہا: ہماری قوم کے ایک آدمی نے ایک خاتون سے حق مہر مقرر کیے بغیر نکاح کیا، ہم بستری سے قبل اس کا انتقال ہو گیا (اب اس خاتون کی عدت اور حق مہر کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سے اب تک مجھ سے اس طرح کا مشکل سوال نہیں کیا گیا، لہٰذا تم کسی دوسرے آدمی سے یہ مسئلہ دریافت کرو۔ وہ لوگ برابر ایک ماہ تک حضرت عبد اللہ بن مسعود کے پاس آکر سوال پوچھتے رہے اور آخر کار یہ کہا اگر ہم آپ سے نہ پوچھیں تو کس سے پوچھیں؟ ہماری نظر میں آپ جیسے مقام، مرتبہ اور علم والا اس شہر میں اور کوئی نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: میں اپنے اجتہاد اور فہم کی بنیاد پر اس مسئلے کا جواب دیتا ہوں اگر یہ درست ہوا تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی طرف سے ہے اور اگر یہ درست نہ ہوا تو میری خطا اور شیطان کے اثر سے ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطا سے بالکل بری ہیں۔ میری رائے کے مطابق اس خاتون کو مہر مثل (یعنی اتنا مہر جتنا اس کے والد کے خاندان کی اس جیسی خواتین کا ہو) دیا جائے، نہ تو اس سے کم ہو اور نہ اس سے زیادہ ہو اور وہ خاتون میراث کی حق دار بھی ہے اور اس پر چار ماہ دس دن عدت لازم ہے۔ راوی کہتے ہے یہ مسئلہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے قبیلہ اشجع کے چند افراد کی موجودگی میں بیان فرمایا جب انہوں نے آپ کا یہ جواب سنا تو (خوشی سے) اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں آپ نے ویسا ہی فیصلہ کیا جیسا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے قبیلے کی ایک خاتون بروع بنت واشق کے بارے میں فرمایا تھا، راوی فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرتے وقت جتنے خوش ہوئے تھے اتنی خوشی آپ کے چہرہ سے عیاں تھی (کیوں کہ آپ کی رائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق ہو گئی تھی)۔

دوسری صورت:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف واقع ہو جائے، کوئی ایک صحابی اپنی رائے کے مطابق عمل کرے، مگر جب اسے اپنے اجتہاد کے خلاف حدیث پہنچے تو اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کرے۔

مثال:

حضرت ابوہریرہ عبد الرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ (ت: 59ھ) پہلے یہ فرمایا کرتے تھے، " مَنْ أَدْرَكَهُ الْفَجْرُ جُنُبًا فَلَا يَصُوْمُ " کہ جس نے روزہ جنابت کی حالت میں رکھا اس کا روزہ نہ ہوگا۔ مگر ازواجِ مطہرات میں سے ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب حضرت عبد الرحمٰن بن حارث نے اس مسئلہ کی وضاحت چاہی تو ان دونوں نے فرمایا کہ روزہ ہو جائے گا کیوں کہ:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ جُنُباً مِنْ غَيْرِ حُلُمٍ ثُمَّ يَصُوْمُ"

(صحیح مسلم: ج: 1، ص: 353، حدیث نمبر: 2589، باب صحۃ صوم من طلع علیہ الفجر وھو جنبا)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احتلام کے جنابت کی حالت میں صبح روزہ رکھ لیتے تھے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے رجوع فرمالیا۔

فائدہ: انبیاء کرام علیہم السلام کو احتلام نہیں ہوتا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما (ت:68ھ) فرماتے ہیں:

مَا احْتَلَمَ نَبِيٌّ قَطُّ ، إِنَّمَا الاحْتِلامُ مِنَ الشَّيْطَانِ

(المعجم الاوسط للامام ابی القاسم سلیمان بن أحمد الطبراني، ت:360ھ، حدیث نمبر:8062)

ترجمہ: کسی نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوا کیوں کہ احتلام شیطان کے اثرات کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حدیثِ مذکور میں " مِنۡ غَيۡرِ حُلُمٍ " فرماکر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جنابت کی حالت میں روزہ رکھ لیا کرتے تھے، مگر اس جنابت کی وجہ احتلام نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنھن کے ساتھ باہمی قرابت ومجامعت ہوتی تھی۔

اب دیکھیے کہ ایک طرف حدیث پاک ہے اور دوسری طرف صحابی کا اجتہاد، جس کے پاس جو چیز پہنچے گی وہ اس پر عمل کرے گا تو اس طرح فروعی اختلاف واقع ہوا۔

تیسری صورت:

ایک مسئلہ کے بارے میں کسی نے حدیث سنائی تو سننے والے نے طعن کیا کہ یہ حدیث اس طرح نہیں جیسے آپ نے سنائی ہے۔ اب حدیث سنانے والا حدیث پر عمل کرے گا اور طعن کرنے والا اپنے اجتہاد پر۔

مثال:

مسئلہ یہ چلا کہ مطلّقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ و سکنٰی ہے یا نہیں؟ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (ت:24ھ) کی مجلس میں حضرت فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا (ت:73ھ) کھڑی ہوئیں اور کہا: مجھے میرے خاوند نے تیسری طلاق دے کر بائنہ کر دیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا تھا کہ تیرے لیے نفقہ ہے اور نہ ہی سکنٰی ہے۔ یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے طعن کیا اور فرمایا:

لَا نَتۡرُكُ كِتَابَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهِ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ لِقَوۡلِ امۡرَأَةٍ لَا نَدۡرِيۡ لَعَلَّهَا حَفِظَتۡ اَوۡ نَسِيَتۡ لَهَا السُّكۡنٰى وَالنَّفَقَةُ ﴿وَتَلَا الۡاٰيَةَ﴾ قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَا تُخۡرِجُوۡهُنَّ مِنۡ بُيُوۡتِهِنَّ وَلَا يَخۡرُجۡنَ اِلَّا اَنۡ يَّاۡتِيۡنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾

(صحیح مسلم: حدیث نمبر: 3710/ 3712)

ترجمہ: "ہم کتاب اللہ اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے حکم کو ایک ایسی عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے جس کے بارے میں ہمیں نہیں پتا کہ اس نے بات کو ٹھیک طرح سے یاد رکھا ہے یا بھول گئی ہے۔ لہٰذا ایسی مطلقہ کو نفقہ و سکنٰی ملے گا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا تو یہ ارشاد ہے: نہ تم ان کو گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود ہی نکلیں مگر جب کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کریں"۔

اب اس میں فروعی اختلاف یوں واقع ہوا کہ جس کے سامنے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث ہوگی وہ کہے گا ایسی مطلّقہ کو نفقہ اور سکنٰی نہیں ملے گا، اور جس کے سامنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہوگا وہ کہے گا نفقہ بھی دیا جائے گا اور سکنٰی بھی۔

حدیث فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی توجیہ:

1: ان کا "خاوند ابو عمرو بن حفص بن مغیرہ رضی اللہ عنہ (ت:10ھ تقریباً)" باہر تھا (کہیں سفر پر تھا) طلاق کے بعد اپنے دو وکیل حارث بن ہشام بن مغیرہ رضی اللہ عنہ اور عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں بطور متعہ 10 قفیز بھجوائے (جن میں سے 5 قفیز کھجور اور 5 جَو کے تھے یا 5 جو اور 5 گندم کے تھے) مگر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ یہ قفیز بطورِ نفقہ ہیں جیسا کہ تکملہ فتح الملہم میں ہے:

وَكَانَ اِرْسَالُ هٰذَا الشَّعِيْرِ مُتْعَةً فَحَسِبَتْهُ هِيَ النَّفَقَةُ الْوَاجِبَةُ عَلَيْهِ

(ج1، ص:197، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

تو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے اتنی مقدار کو کم سمجھ کر رد کر دیا، چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ لَكِ عَلَيْهِ النَّفَقَةُ

اب تیرے لئے نفقہ (اور سکنی) نہیں ہے (کیوں کہ تو نے خود ہی لینے سے انکار کر دیا)

2: انہوں نے شہر کا مکان چھوڑ کر الگ سکونت اختیار کر لی تھی اور عورت نفقہ کی حق دار تب ہوتی ہے جب خاوند کے گھر میں ہو۔ اس وجہ سے "لَا نَفَقَةَ وَلَا سُكْنٰى" فرمایا گیا۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

وَاَمَّا فَاطِمَةُ بِنْتُ قَيْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَالَّذِيْ يَظْهَرُ مِنْ مَجْمُوْعِ الرِّوَايَاتِ اَنَّهَا طَلَبَتِ النَّقْلَةَ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا لِكَوْنِهٖ فِيْ مَكَانٍ وَحْشٍ۔

(تکملہ فتح الملہم ج:1، ص:207، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

ترجمہ: "بہر حال حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے معاملے میں مختلف روایات کے مجموعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مکان کی وحشت کی وجہ سے انہوں نے خود نقل مکانی کا مطالبہ کیا تھا"۔

معلوم ہوا کہ معتدہ کو نفقہ اس وجہ سے ملتا ہے کہ وہ خاوند کے گھر میں اس کی پابند ہوتی ہے، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے چونکہ از خود خاوند کے گھر سے منتقل ہونے کا مطالبہ کیا تھا اس وجہ سے نفقہ و سکنٰی کی حق دار نہیں ہوئی۔

3: امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص (ت:370ھ) لکھتے ہیں:

فَلَمَّا كَانَ سَبَبُ النَّقْلَةِ مِنْ جِهَتِهَا كَانَتْ بِمَنْزِلَةِ النَّاشِزَةِ . فَسَقَطَتْ نَفَقَتُهَا وَسُكْنَاهَا جَمِيْعاً

(احکام القرآن للجصاص:3، ص690، تحت سورۃ الطلاق)

ترجمہ: پس جب نقل مکانی کا سبب حضرت فاطمۃ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی طرف سے پایا گیا تو وہ (بظاہر) اس عورت کی طرح ہو گئی جو اپنے خاوند کے حکم کی مخالفت کرے۔ پس اس وجہ سے نفقہ و سکنٰی دونوں ساقط ہو گئے۔

چوتھی صورت:

فروعی اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ صحابی کو اس مسئلہ کے بارے میں کوئی حدیث نہ پہنچی ہو اور وہ نظائر دیکھ کر حکم لگائے۔

مثال نمبر1:

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ (ت:63ھ) پہلے یہ مسئلہ بتایا کرتے تھے کہ عورت کے لیے غسلِ جنابت کرتے وقت مینڈھیاں کھولنا ضروری ہے۔ یہ بات ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنی تو فرمایا:

يَا عَجَباً لِابْنِ عَمْرٍو هٰذَا! يَأْمُرُ النِّسَاءَ ، إِذَا اغْتَسَلْنَ اَنْ يَّنْقُضْنَ رُؤُوْسَهُنَّ ، اَفَلَا يَأْمُرُهُنَّ اَنْ يَّحْلِقْنَ رُؤُوْسَهُنَّ ! لَقَدْ كُنْتُ اَغْتَسِلُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللهِ مِنْ اِنَاءٍ وَّاحِدٍ ، وَمَا اَزِيْدُ عَلٰى اَنْ اُفْرِغَ عَلٰى رَاْسِيْ ثَلَاثَ اِفْرَاغَاتٍ

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشیری، ت:261ھ: حدیث نمبر:747، باب حکم ضفائر المغتسلۃ)

ترجمہ: ابنِ عَمرو کی اس بات پر تعجب ہے کہ وہ عورتوں کو غسل جنابت کے وقت مینڈھیاں کھولنے کا حکم دیتے ہیں وہ عورتوں سے یوں کیوں نہیں کہتے کہ وہ اپنے بال کٹوا دیں (کہ مینڈھیاں کھولنے کی نوبت ہی نہ آئے) حالانکہ میں؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غسل کیا کرتی تھی اور میں (مینڈھیاں کھولے بغیر) اپنے سر میں تین چلّو پانی ڈال دیتی تھی تو غسل ہو جاتا (یعنی بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے)

فائدہ: حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم مُحَدِّث دہلوی رحمہ اللہ (ت: 1176ھ) نے سیدنا عبداللہ بن عمرو کے بجائے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تحریر کیا ہے۔

(حجۃ اللہ البالغہ للامام الشاہ ولی اللہ المحدث الدہلوی، ت1176ھ: ص:142)

مثال نمبر2:

سیدہ ہندہ بنتِ ابی امیہ رضی اللہ عنہا (ت:95ھ) کو مسلسل کئی برس استحاضہ لاحق رہا اور اس حالت میں نماز روزے کی شرعی اجازت کا آپ کو علم نہ تھا۔ اس وجہ سے آپ اس دوران نماز نہ پڑھتی تھیں اور افسوس میں روتی رہتی تھیں۔ امام ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ھشام المخزومی المدنی رحمۃ اللہ علیہ (ت:94ھ) نے ان کے بارے میں فرمایا:

يَرْحَمُ اللهُ هِنْداً ، لَوْ سَمِعَتْ بِهٰذِهِ الْفُتْيَا ، وَاللهِ ! اِنْ كَانَتْ لَتَبْكِيْ ، لِاَنَّهَا كَانَتْ لَا تُصَلِّيْ ،

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشیری، ت:261ھ: حدیث نمبر: 756 باب المستحاضۃ وغسلھا وصلاتھا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حضرت ہندہ پہ رحم فرمائے۔ کاش کہ وہ یہ فتویٰ سن لیتی (کہ حالت استحاضہ میں نماز پڑھنا جائز ہے) اللہ کی قسم! وہ اس وجہ سے نماز نہ پڑھتی تھی اور روتی رہتی تھی۔

سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں یہ تھا کہ استحاضہ کا حکم بھی وہی ہے جو حیض کا ہے۔ اب اس میں فروعی اختلاف یوں واقع ہوا کہ جن کے سامنے اس صحابیہ کا عمل ہو گا وہ استحاضہ کا حکم حیض والا بتائیں گے اور جن کے سامنے اجازت والا حکم ہو گا وہ اجازت والا حکم ہی بتائیں گے۔

سبب2:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کیا، دیکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض نے اسے عادت پر محمول کیا اور بعض نے عبادت پر۔

مثال:

حجۃ الوَداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی محصّب (مقام ابطح) میں قیام فرمایا اور رات گزاری۔ اب یہ رات گزارنا کس بنیاد پر تھا؟ کچھ صحابہ کرام مثلاً سیدنا ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یہ قیام بوجہ عبادت تھا، یہ حج کے سنن وآداب میں سے ہے لہٰذا حاجی حضرات اس پر عمل کریں۔ جب کہ دیگر صحابہ کرام مثلاً سیدنا ابنِ عباس اور امی عائشہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک یہ قیام بوجہ عادت تھا کہ سفری سہولت کے پیشِ نظر آپ نے یہاں قیام فرمایا تھا۔ لہٰذا یہ سننِ حج میں سے نہیں۔

عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانَ يَرَى التَّحْصِيْبَ سُنَّةً۔

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشیری، ت:261ھ: حدیث نمبر:8 316، باب استحباب نزول المحصب یوم النفر)

ترجمہ: حضرت نافع ابو عبد اللہ المدنی مولیٰ ابنِ عمر (ت:117 یا 119ھ) فرماتے ہیں کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما (ت:73ھ) وادی محصب میں قیام کو سنت سمجھتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ: نُزُوْلُ الْاِبْطَحِ لَيْسَ بِسُنَّةٍ، اِنَّمَا نَزَلَهُ رَسُوْلُ اللهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَنَّهٗ كَانَ اَسْمَحَ لِخُرُوْجِهٖ اِذَا خَرَجَ

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشَیری، ت:261ھ: حدیث نمبر:3169، باب استحباب نزول المحصب یوم)

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: وادی محصب (مقام اِبطح) میں قیام کرنا کوئی سنت نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں اس لئے ٹھہرے کہ مکہ جاتے وقت آپ کے لیے اس جگہ سے نکلنا (یعنی روانہ ہونا) آسان تھا۔

اب اس میں فروعی اختلاف یوں واقع ہوا کہ جن کے نزدیک وادی محصب کا قیام بوجہ عبادت کے ہے ان کے ہاں حکم اور ہے اور جو قیام کو بوجہ عادت قرار دیتے ہیں ان کے ہاں حکم اور ہے۔

سبب 3:

کوئی ایک فریق مسئلہ کے بارے میں سہو ونسیان کا شکار ہو جائے اور یہ چیز اختلاف کا سبب بن جائے۔

مثال:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رجب میں کوئی عمرہ ادا فرمایا یا نہیں؟

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس بارے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

"اَرْبَعُ عُمَرٍ اِحْدَاهُنَّ فِيْ رَجَبَ"

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشیری، ت:261ھ: حدیث نمبر:3037)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل چار عمرے ادا فرمائے تھے ان میں سے ایک عمرہ ماہ رجب میں ادا فرمایا تھا۔

جب سیدہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

مَا اعْتَمَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَجَبَ قَطُّ "

(صحیح ابن ماجہ للامام الحافظ محمد بن یزید ابنِ ماجہ القزوینی رحمہ اللہ، ت:273ھ: حدیث نمبر:2998)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رجب میں کبھی بھی عمرہ ادا نہیں فرمایا۔

آپ رضی اللہ عنہا نے مزید فرمایا:

لَمْ يَعْتَمِرْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمْرَةً إِلَّا فِيْ ذِيْقَعْدَةٍ۔

(صحیح ابن ماجہ للامام الحافظ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوینی رحمہ اللہ، ت:273ھ: حدیث نمبر:2997)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی عمرہ کیا ماہ ذیقعدہ میں ہی ادا کیا۔ (سوائے حج والے عمرہ کے۔ از مُرتِّب)

اب ایک قول سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور ایک قول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہے۔ جو آدمی جس کے قول کو لے گا اس پر عمل کرے گا تو اس طرح فروعی اختلاف واقع ہو گا۔

سبب 4:

ضبط اختلاف یعنی بات سننے یا سمجھنے میں غلطی کی وجہ سے اختلاف واقع ہو۔

مثال:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (ت:73ھ) روایت فرماتے ہیں کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَہْلِهٖ عَلَيْهِ"

(صحیح البخاری للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ت: مِنْ غَیْرِ حُلُمٍ 256ھ، حدیث نمبر:1286)

ترجمہ: میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس حدیث مبارک کے ظاہری الفاظ کی بنیاد پر عام مفہوم مراد لیتے تھے کہ میت کے عذاب قبر کا سبب لواحقین کا رونا بھی ہے، لہٰذا انہیں رونا نہیں چاہیے۔ اسی وجہ سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما میت پر رونے نہیں دیتے تھے، اس معاملے میں بہت سختی فرماتے تھے۔

جب کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا (ت:57ھ) نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اس مفہوم کی تردید فرمائی اور اسے ان کی خطا قرار دیا۔ حضرت عمرہ بنت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہا (ت:98ھ) فرماتی ہیں:

"وَذُكِرَ لَهَا أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ " إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ " فَقَالَتْ عَائِشَةُ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِأَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَمَا إِنَّهُ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهُ نَسِيَ أَوْ أَخْطَأَ إِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يُبْكٰى عَلَيْهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا"

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشَیری، ت:261ھ: حدیث نمبر 2156)

ترجمہ: اور (جب) ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا (ت:57ھ) کو یہ بات بتائی گئی کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما تو یہ فرماتے ہیں کہ "میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، یہ سن کر آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمٰن پر رحم فرمائے، بہر حال انہوں نے غلط نہیں کہا لیکن وہ بھول گئے یا انہیں مغالطہ لگ گیا، دراصل ایک یہودیہ عورت کی میت کے پاس اس کے لواحقین رو رہے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے قریب سے گزر ہوا تو فرمایا: وہ لوگ اس پر رو رہے ہیں جب کہ اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔"

امی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک اس حدیث پاک کا عام نہیں بلکہ خاص مفہوم تھا، وہ یہ کہ عذاب قبر کا اصل سبب میت کے اپنے برے اعمال ہوتے ہیں، لواحقین کے رونے کا میت کے عذاب قبر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا، لہٰذا لواحقین کے رونے کو میت کے عذاب کا سبب قرار دینا درست نہیں۔

امی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پیشِ نظر دو وجہیں تھیں جن کی بنیاد پر آپ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مفہوم کو خطا اور نسیان قرار دیا۔

پہلی وجہ یہ تھی کہ اگر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والا مفہوم مراد لیا جائے تو اس سے قرآن کریم کی مخالفت لازم آئے گی، کیوں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰی"

(سورۃ الاسراء:15)

ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما(ت:68ھ) نقل فرماتے ہیں کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

"وَاللّٰہِ مَا حَدَّثَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰہَ لَیُعَذِّبُ الْمُؤْمِنَ بِبُکَاءِ أَھْلِہِ عَلَیْہِ وَلٰکِنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللّٰہَ لَیَزِیدُ الْکَافِرَ عَذَابًا بِبُکَاءِ أَھْلِہِ عَلَیْہِ وَقَالَتْ حَسْبُکُمُ الْقُرْآنُ "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی"۔

(صحیح البخاری للامام محمد بن اسماعیل البخاری، ت:256ھ، حدیث نمبر:1288)

ترجمہ: اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات بیان نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مؤمن میت کو اس کے لواحقین کے رونے کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ضرور فرمایا کہ کافر میت کے عذاب میں اس کے لواحقین کے رونے کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے، پھر امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمہیں (اس حدیث کا مفہوم سمجھنے کے لیے) قرآن کریم کی یہ آیت "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرٰی"۔ کافی ہے

دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ حدیث پاک "اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُکَاءِ اَہْلِہٖ عَلَیْہِ "کا تعلق کافر میت کے ساتھ ہے، مؤمن میت کے ساتھ نہیں۔ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیہ عورت کے لواحقین کے بارے فرمایا تھا:

"إنھم لیبکون علیھا وإنھا لتعذب في قبرھا"

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشیری، ت:261ھ: حدیث نمبر2156)

وہ لوگ اس پر رو رہے ہیں جب کہ اسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے۔"

اس فرمان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس یہودیہ کے لواحقین کو تنبیہ فرمانا تھا کہ وہ تو اپنی بداعتقادی وبدعملی کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہے اور تم رو رہے ہو؟ یعنی تمہیں اپنے ایمان اور اعمال کی فکر کرنی چاہیے

فائدہ:

محدثین کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث مذکور کو نسیان اور خطا قرار دینا درست نہیں، لیکن اس کے باوجود اس کا عام مفہوم مراد نہیں لے سکتے ورنہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے ساتھ اس کا ٹکراؤ لازم آئے گا، لہٰذا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ تاویل کرنا ضروری ہے کہ اس کا تعلق مختلف احوال کے ساتھ ہے۔

امام ابو الفضل احمد بن علي بن حجر العسقلاني الشافعي رحمہ اللہ (ت:852ھ) لکھتے ہیں:

"وَقَالَ الْقُرْطُبِيُّ إِنْکَارُ عَائِشَةَ ذٰلِكَ وَحُکْمُھَا عَلَی الرَّاوِيْ بِالتَّخْطِئَةِ أَوِ النِّسْیَانِ أَوْ عَلٰی أَنَّہٗ سَمِعَ بَعْضًا وَّلَمْ یَسْمَعْ

بَعْضًا بَعِيْدٌ لِأَنَّ الرُّوَاةَ لِهٰذَا الْمَعْنٰى مِنَ الصَّحَابَةِ كَثِيْرُوْنَ وَهُمْ جَازِمُوْنَ فَلَا وَجْهَ لِلنَّفْيِ مَعَ إِمْكَانِ حَمْلِهٖ عَلٰى مَحْمَلٍ صَحِيْحٍ".

(فتح الباری شرح صحیح البخاری: باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اھلہ علیہ، ج: ص:)

ترجمہ: امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کا انکار کرنا اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر خطا یا نسیان کا حکم لگانا یا یہ بات کہنا کہ انہوں نے حدیث کے کچھ الفاظ سنے کچھ نہیں سنے، یہ سب باتیں سمجھ سے بالاتر ہیں، کیوں کہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پورے وثوق کے ساتھ اس معنی کی احادیث روایت کی ہیں، لہٰذا جب اس حدیث کی صحیح تعبیر اختیار کرنا ممکن ہے تو اس کا انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد القرطبی الشافعی رحمہ اللہ (ت: 380ھ) لکھتے ہیں:

"نَزَعَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا بِهٰذِهِ الْاٰيَةِ فِي الرَّدِّ عَلَى ابْنِ عُمَرَ حَيْثُ قَالَ: إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهٖ قَالَ عُلَمَاؤُنَا: وَإِنَّمَا حَمَلَهَا عَلٰى ذٰلِكَ أَنَّهَا لَمْ تَسْمَعْهُ وَإِنَّهٗ مُعَارِضٌ لِلْاٰيَةِ وَلَا وَجْهَ لِإِنْكَارِهَا فَإِنَّ الرُّوَاةَ لِهٰذَا الْمَعْنٰى كَثِيْرٌ كَعُمَرَ وَابْنِهٖ وَالْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ وَقَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ وَهُمْ جَازِمُوْنَ بِالرِّوَايَةِ حَ فَلَا وَجْهَ لِتَخْطِئَتِهِمْ وَلَا مُعَارَضَةَ بَيْنَ الْاٰيَةِ وَالْحَدِيْثُ مَحْمَلُهٗ عَلٰى مَا إِذَا كَانَ النَّوْحُ مِنْ وَصِيَّةِ الْمَيِّتِ وَسُنَّتِهٖ كَمَا كَانَتِ الْجَاهِلِيَّةُ تَفْعَلُهٗ"

(الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: سورۃ الإسراء، آیت: 15، ج: 2 ص: 1825)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جس وقت یہ فرمایا: "اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَہْلِهٖ عَلَيْهِ" تو امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس آیت: "وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى" کی وجہ سے ان کی تردید فرمائی۔ ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہیں سنی اس بات نے ان کو حدیث ابنِ عمر کے انکار پر آمادہ کیا ہے اور دوسرا اس بات نے کہ یہ حدیث قرآن کریم کی آیت کے خلاف ہے۔ لیکن امی عائشہ رضی اللہ عنہا کا اس بنیاد پر حدیث ابنِ عمر کا انکار کرنا درست نہیں، کیوں کہ حضرت عمر، ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت قَیلَہ بنتِ مَخرَمہ رضی اللہ عنہم سمیت بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مکمل اعتماد کے ساتھ اس معنی کی احادیث روایت فرمائی ہیں، اس طرح تو ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف خطا کی نسبت ہو جائے گی جو کسی طرح مناسب نہیں۔ باقی اس آیت اور حدیث کے درمیان کوئی مخالفت نہیں کیوں کہ حدیث کا تعلق ایسے شخص کے ساتھ ہے جسے نوحہ کرنے کی عادت ہو اور اپنی موت پہ نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو، جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایسا کیا کرتے تھے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی رحمہ اللہ (ت: 855ھ) لکھتے ہیں:

"وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْعُلَمَاءَ ذَكَرُوْا فِيْ قَوْلِهٖ إِنَّ الْمَيِّتَ يُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهٖ ثَمَانِيَةَ أَقْوَالٍ أَصَحُّهَا وَهُوَ تَأْوِيْلُ الْجُمْهُوْرِ عَلٰى أَنَّهٗ مَحْمُوْلٌ عَلٰى مَنْ أَوْصٰى بِهٖ وَإِلَيْهِ ذَهَبَ الْبُخَارِيُّ"

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری للعینی، جلد: 6 ص: 109 طبع دار الفکر)

ترجمہ: خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرام رحمہم اللہ نے "اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَہْلِهٖ عَلَيْهِ" کی تاویل میں آٹھ اقوال بیان فرمائے ہیں، ان میں سے جمہور حضرات کی تاویل سب سے زیادہ بہتر ہے وہ یہ ہے کہ حدیث سے مراد ایسا شخص ہے جس نے اپنی موت پہ نوحہ کرنے کی وصیت کی ہو، امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

قاضی ابو الفضل عیاض بن موسی بن عیاض المالکی رحمہ اللہ (ت:544ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"إِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ أَهْلِهِ قِيْلَ هُوَ عَلَى وَجْهِهِ إِذَا كَانَ ذٰلِكَ بِأَمْرِهٖ وَوَصِيَّتِهٖ وَقِيْلَ كَانَ ذٰلِكَ خَاصّاً فِيْ كَافِرٍ أَيْ أَنَّهٗ يُعَذَّبُ وَهُمْ يَبْكُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ تَأْوِيْلُ عَائِشَةَ...... وَقِيْلَ يُعَذَّبُ بِالْجَرَائِمِ الَّتِيْ اكْتَسَبَهَا مِنْ قَتْلٍ وَغَصَبٍ وَظُلْمٍ وَكَانَتِ الْجَاهِلِيَّةُ تثني بِهٖ عَلٰى مَوْتَاهَا"

(مشارق الانوار علی صحاح الآثار: فصل الاختلاف والوھم، جلد2ص70)

ترجمہ: کہا گیاہے کہ یہ حدیث "اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَہْلِهٖ عَلَيْهِ "اس صورت میں ہے جب یہ رونا میت کے حکم اور وصیت کی وجہ سے ہو۔ یہ بھی کہا گیاہے کہ یہ حدیث کافر میت کے ساتھ خاص ہے کہ اسے قبر میں لواحقین کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، امی عائشہ رضی اللہ عنہانے بھی یہی تاویل اختیار فرمائی ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اس حدیث سے مراد وہ آدمی ہے جس کی زندگی کے قتل، غصب اور ظلم جیسے جرائم کا اس کی موت کے بعد تذکرہ کیاجائے، کیوں کہ زمانہ جاہلیت میں ان جرائم کو فخریہ طور پر بیان کیاجاتا تھا۔

سبب5:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیااب اس کی علّت کی تعیین میں اختلاف واقع ہو گیا، بعض نے کوئی علت بیان کی اور بعض نے کوئی۔

مثال:

ایک میت گزری تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت سہل بن حُنیف رضی اللہ عنہ (ت:38ھ)اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ (ت:60ھ) فرماتے ہیں:

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ۔

(صحیح البخاری:ج:1،ص:175،رقم الحدیث:1312+1311)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک جنازہ گزراتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام کیوں فرمایا؟ اس کی مختلف علتیں بیان کی گئی ہیں:

1: انسانیت کی تعظیم کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے جب جنازہ گزراتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا یہ تو یہودی کا جنازہ ہے (آپ کیوں کھڑے ہوئے؟) تو آپ نے فرمایا:

اَلَيْسَتْ نَفْساً (کیا وہ انسان نہیں ہے؟)

(صحیح بخاری، باب من قام لجنازۃ یہودی: حدیث نمبر:1312)

2: ملائکہ کی تعظیم پیشِ نظر تھی۔ جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ت:91ھ) کی حدیث میں ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا قُمْنَا لِلْمَلَائِكَةِ۔

ترجمہ: ہم تو ملائکہ کی (تعظیم کی) وجہ سے کھڑے ہوئے۔

(سنن نسائی: باب الرخصۃ فی ترک القیام، حدیث نمبر:1931)

نوٹ : مذکورہ دونوں وجہوں میں عموم ہے کیوں کہ ہر میت خواہ مسلم ہو یا کافر، صالح ہو یا فاجر، انسانیت میں یکساں ہے۔ اسی طرح ہر میت کے ساتھ ملائکہ ضرور ہوتے ہیں۔ نیک میت کے ساتھ ملائکہ رحمت اور گناہ گار میت کے ساتھ ملائکہ عذاب۔

3: میت مؤمن تھی اس وجہ سے قیام فرمایا۔ قیام کا مقصد یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ جیسا کہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ (ت:110ھ) فرماتے ہیں:

اِنَّ الْعَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَالْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا مَرَّتْ بِهِمَا جَنَازَةٌ فَقَامَ الْعَبَّاسُ وَلَمْ يَقُمِ الْحَسَنُ ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ لِلْحَسَنِ : اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ مَرَّتْ عَلَيْهِ جَنَازَةٌ فَقَامَ ، فَقَالَ : نَعَمْ ، وَقَالَ الْحَسَنُ لِلْعَبَّاسِ: اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ عَلَيْهَا ، قَالَ: نَعَمْ ۔

(شرح معانی الآثار: باب الجنازۃ تمر بالقوم ایقومون لھا ام لا؟، ج:1، ص:314، مکتبہ حقانیہ)

ترجمہ: سیدنا عباس اور سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنھما تشریف فرما تھے، ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا، اسے دیکھ کر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے لیکن سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کھڑے نہ ہوئے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے جنازہ گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے؟ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں (یعنی مجھے معلوم ہے) پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میت کی نماز جنازہ پڑھائی تھی؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: جی ہاں (یعنی مجھے معلوم ہے)

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت: 321ھ) حدیث مذکور کے بعد فرماتے ہیں:

فَدَلَّ هٰذَا الْحَدِيْثُ اَنَّ قِيَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَالِكَ اِنَّمَا كَانَ لِيُصَلِّيَ عَلَيْهَا لَا لِاَنَّ مِنْ سُنَّتِهَا اَنْ يُّقَامَ لَهَا

(شرح معانی الآثار: باب الجنازۃ تمر بالقوم ایقومون لھا؟، ج:1، ص:314، مکتبہ حقانیہ)

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس میت کو دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اس وجہ سے تھا کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ یہ قیام اس وجہ سے نہ تھا کہ میت کو دیکھ کر کھڑا ہونا مسنون عمل ہے۔

4: قیام کا مقصد یہ تھا کہ کہیں اس بدبخت کافر کا منحوس سایہ ہم پر نہ پڑ جائے، کیوں کہ میت یہودی کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنازہ کے راستے میں تشریف فرما تھے۔ جیسا کہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِهَا جَالِساً ، فَكَرِهَ اَنْ تَعْلُوَا رَاْسَهٗ جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَامَ ۔

(سنن النسائی: باب الرخصۃ فی ترک القیام، حدیث نمبر:1928)

ترجمہ: ایک یہودی کا جنازہ گزرا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستے میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ وہ میت ہمارے اوپر سے گزرے، اس وجہ سے آپ کھڑے ہوگئے۔

5: قیام کی وجہ میت کی بدبو سے بچنا تھا، کیوں کہ میت ایک یہودی کی تھی اور اس کی بدبو نے آپ کو اذیت پہنچائی، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر دور چلے گئے۔ جیسا کہ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت: 321ھ) حدیث مبارک نقل

فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ , قَالَ: سَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَیْنِ یُحَدِّثُ عَنِ الْحَسَنِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا , أَوْ عَنْ أَحَدِهِمَا: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهِ جَنَازَةُ یَهُوْدِيٍّ فَقَامَ لَهَا وَقَالَ آذَانِيْ رِیْحُهَا۔

(شرح معانی الآثار للامام ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی رحمہ اللہ، ت 321ھ:ج:1، ص:314، باب الجنازۃ تمرّ بالقوم ایقومون لھا ام لا؟، مکتبہ حقانیہ)

ترجمہ: امام عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج (ت:51ھ) روایت کرتے ہیں کہ امام محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الھاشمی المعروف ابو جعفر الباقر رحمہ اللہ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ (ت:33ھ) اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ (ت:50ھ) ان دونوں کو یا ان میں سے کسی ایک کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: اس کی بدبو نے مجھے تکلیف دی۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی (ت:321ھ) حدیث مذکور کے بعد فرماتے ہیں:

فَدَلَّ هٰذَا الْحَدِیْثُ عَلٰى اَنَّ قِیَامَهٗ كَانَ لِمَا اٰذَاهُ رِیْحُهَا لِیَتَبَاعَدَ عَنْهُ لَا لِغَیْرِ ذَالِكَ

ترجمہ: حدیث مذکور اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا مقصد اس کی بدبو سے بچنے کے لیے دور ہو جانا تھا، اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ تھا۔

6: قیام کا مقصد موت کی گھبراہٹ اور سختی کا استحضار کرنا تھا۔ جیسا کہ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (ت:73ھ) فرماتے ہیں:

بَیْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذْ مَرَّتْ عَلَیْهِ جَنَازَةٌ فَقُمْنَا لِنَحْمِلَهَا فَاِذَا جَنَازَةُ یَهُوْدِيٍّ اَوْ یَهُوْدِیَّةٍ فَقُلْنَا یَا نَبِيَّ اللّٰهِ اِنَّهَا جَنَازَةُ یَهُوْدِيٍّ اَوْ یَهُوْدِیَّةٍ فَقَالَ: اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَیْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا۔

(سنن نسائی: حدیث نمبر:1923، شرح معانی الآثار، واللفظ لہ: ج:1، ص:314، مکتبہ حقانیہ)

ترجمہ: ایک دفعہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے، ایک جنازہ گزرا تو ہم کھڑے ہو گئے تا کہ اسے اٹھائیں، اچانک پتہ چلا کہ وہ تو ایک یہودی یا یہودیہ کی میت ہے، ہم نے عرض کیا، یا نبی اللہ! یہ تو ایک یہودی یا یہودیہ کا جنازہ ہے (پھر کیوں کھڑے ہوئے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ موت ایک گھبراہٹ والی چیز ہے، لہٰذا جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جاؤ۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ (ت:855ھ) علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک بن بطال القرطبی رحمہ اللہ (ت:449ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فَالْقِیَامُ لَهَا لِاَجْلِ صَعُوْبَةِ الْمَوْتِ وَتَذَكُّرِهٖ . فَكَاَنَّهٗ اِذَا قَامَ كَانَ اَشَدَّ لِتَذَكُّرِهٖ.

(عمدۃ القاری: ج:6، ص:153، دار الفکر)

ترجمہ: جنازہ کو دیکھ کر قیام کی وجہ یہ تھی کہ موت کی سختی کا استحضار ہو جائے۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو اس (استحضار والی) کیفیت میں اور اضافہ ہوا۔

دیکھیے یہاں علتیں مختلف ہو گئیں تو جب یہ آگے منتقل ہوں گی تو اختلاف بھی ساتھ ساتھ چلتا جائے گا۔

سبب 6:

ایک ہی چیز کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف افراد کے لیے مختلف اوقات میں مختلف حکم دیے، مثلاً ایک وقت

میں ایک چیز کو مباح قرار دیا اور دوسرے وقت میں اسی چیز کو ممنوع ٹھہرا دیا۔ اب یہ اباحت وممانعت کیوں واقع ہوئی؟ اس میں اختلاف واقع ہو گیا۔ بعض لوگوں نے اس اباحت و منع کو نسخ پر محمول کیا اور بعضوں نے اسے ضرورت پر محمول کیا۔

مثال:

عورتوں سے نکاحِ متعہ کرنے کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ اس بارے میں روایات مختلف ہیں۔

شروع اسلام میں متعہ جائز تھا۔ (متعہ کا رواج زمانہ جاہلیت سے چلا آ رہا تھا، اسلام نے دور اوّل میں اس کو باقی رکھا تھا) پھر غزوہ خیبر کے موقع پر ممنوع ٹھہرا، فتح مکہ کے موقع پر ایک محدود مدت کے لئے اس کی رخصت دی گئی، اس کے بعد ہمیشہ کے لئے حرام قرار دے دیا گیا۔

مفتی بغداد علامہ شہاب الدین سید محمود آلوسی رحمہ اللہ (ت: 1270ھ) لکھتے ہیں۔

وَالصَّوَابُ الْمُخْتَارُ اَنَّ التَّحْرِيْمَ وَالْاِبَاحَةَ كَانَا مَرَّتَيْنِ وَكَانَتْ حَلَالًا قَبْلَ يَوْمِ خَيْبَرَ ثُمَّ حُرِّمَتْ يَوْمَ خَيْبَرَ. ثُمَّ اُبِيْحَتْ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ وَهُوَ يَوْمُ اَوْطَاسٍ لِاِتِّصَالِهِمَا. ثُمَّ حُرِّمَتْ يَوْمَئِذٍ بَعْدَ ثَلَاثٍ تَحْرِيْماً مُؤَبَّداً اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَاسْتَمَرَّ التَّحْرِيْمُ ـ

(روح المعانی: سورۃ النساء، آیت نمبر: 24، ج: 3، جزء: 5، ص: 5)

ترجمہ: درست اور پسندیدہ قول یہ ہے کہ متعہ کی حرمت واباحت دو مرتبہ ہوئی غزوہ خیبر سے قبل حلال تھا پھر غزوہ خیبر کے موقع پر حرام قرار دیا گیا، پھر فتح مکہ کے موقع پر مباح قرار دیا گیا اور یہی غزوہ اوطاس کا موقع تھا دونوں کے زمانہ کی قربت کی وجہ سے ایک شمار کیا گیا۔ پھر تین دن کی اباحت کے بعد تا قیامت ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا، اب اس کی حرمت ہمیشہ جاری رہے گی۔

اب اختلاف کی صورت یوں بن گئی کہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اباحت وممانعت کو نسخ پر محمول کیا کہ اب متعہ کی حرمت تابیدی ہے، لہٰذا اب تا قیامِ قیامت متعہ حرام رہے گا، جب کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے کہ ان کے ہاں یہ ممانعت ضرورت پر محمول تھی۔ یعنی متعہ کی جب ضرورت پیش آئی تو اجازت، جب ضرورت ختم تو ممانعت۔ لہٰذا اب بھی جب ضرورت پیش آئے تو متعہ کیا جا سکتا ہے، اگر ضرورت نہ ہو تو اجازت بھی نہ ہو گی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ابتدائی قول تھا، بعد میں آپ نے رجوع فرما لیا تھا۔ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کے ہاں بھی متعہ کی ممانعت نسخ کی وجہ سے ہے نہ کہ ضرورت کی وجہ سے۔ لہٰذا حرمتِ متعہ بالاتفاق تابیدی ہے۔

غلط فہمی کا ازالہ:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں معروف ہے کہ آپ اباحت متعہ کے قائل تھے، یہ بات بالکل غلط ہے، ہاں البتہ یہ آپ کا ابتدائی قول تھا بعد میں آپ بھی متعہ کی حرمت اور منسوخیت کے قائل تھے۔ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ متعہ کی رخصت ختم ہو چکی ہے اور اب اس کی حرمت ہمیشہ کے لیے ہے۔ تب حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اباحتِ متعہ والے قول سے رجوع فرما لیا تھا، لہٰذا اب بالاتفاق متعہ حرام ہے۔ درج ذیل دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر 1:

حضرت نافع ابو عبد اللہ المدنی مولیٰ ابنِ عمر (ت: 117 یا 119ھ) فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ سُئِلَ عَنِ الْمُتْعَةِ , فَقَالَ : حرَامٌ فَقِيلَ لَهُ : إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ يُفْتِي بِهَا , فَقَالَ : فَهَلاَّ تَزَمْزَمَ بِهَا فِي زَمَانِ عُمَرَ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج:3ص:390، باب فی نکاح المتعۃ و حرمتھا)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعہ کے بارے میں شرعی حکم دریافت کی گیا تو آپ نے فرمایا متعہ حرام ہے۔ آپ سے کہا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تو متعہ کی رخصت کا فتویٰ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا (اگر یہ بات درست ہے تو) تب عبد اللہ بن عباس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں متعہ کے حوالے سے کیوں خاموش تھے؟

دلیل نمبر 2:

حضرت علی رضی اللہ عنہ (ت:40ھ) روایت فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ زَمَنَ خَيْبَرَ

ترجمہ: بلا شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے اور عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے سے منع فرمایا۔

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ (ت:279ھ) حرمتِ متعہ سے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

حَدِيْثُ عَلِيٍّ حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَالْعَمَلُ عَلٰى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَغَيْرِهِمْ وَإِنَّمَا رُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ شَيْءٌ مِّنَ الرُّخْصَةِ فِي الْمُتْعَةِ ثُمَّ رَجَعَ عَنْ قَوْلِهٖ حَيْثُ أُخْبِرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(جامع الترمذی: حدیث نمبر:1121، درس ترمذی: ج:3، ص:401 تا 408)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن اور صحیح درجے کی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ائمہ عظام، فقہاء اور محدثین رحمہم اللہ کا اس پر عمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے متعہ کی رخصت کے حوالے سے روایات مروی ہیں لیکن جب ان کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی خبر دی تو انہوں نے اپنے رخصت والے قول سے رجوع فرمالیا تھا۔

دلیل نمبر 3:

حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ القرظی (ت:118ھ) فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ : إِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِيْ أَوَّلِ الْإِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدِمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهٗ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْأَةَ بِقَدْرِ مَا يَرىٰ أَنَّهٗ يُقِيمُ فَتَحْفَظُ لَهٗ مَتَاعَهٗ وَتُصْلِحُ لَهٗ شَيْئَهٗ حَتّٰى إِذَا نَزَلَتِ الْآيَةُ ({ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ }) قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوىٰ هٰذَيْنِ فَهُوَ حَرَامٌ

(جامع ترمذی: حدیث نمبر:1122)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بے شک متعہ اسلام کے دور اول میں مباح تھا، جب کوئی شخص کسی نئی جگہ جاتا جہاں اس کی جان پہچان نہ ہوتی تو جتنے دن اسے وہاں قیام کرنا ہوتا اتنے دنوں کے لیے کسی عورت سے شادی کر لیتا، تاکہ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت اور اس کی چیزوں کی دیکھ بھال کرے پھر جب یہ آیت {إلا علی أزواجھم أو ماملکت أیمانھم} (سوائے اپنی بیویوں اور ان

باندیوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں) نازل ہوئی تو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان دونوں (بیوی اور باندی) کے علاوہ ہر شرم گاہ حرام ہے۔

دلیل نمبر 4:

امام مسلم بن حجاج القشیری رحمہ اللہ (ت: 261ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت لاتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ يُلَيِّنُ فِيْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ فَقَالَ مَهْلاً يَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَإِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْهَا يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْإِنْسِيَّةِ

(صحیح مسلم: حدیث نمبر: 3434)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے متعہ کی رخصت واباحت کے حوالے سے سنا تو فرمایا: اے ابن عباس! اس بات کو چھوڑ دیجیے بلاشبہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے اور متعہ کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

دلیل نمبر 5:

سیدنا سعید بن جبیر رحمہ اللہ (ت: 95ھ) فرماتے ہیں:

قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: لَقَدْ سَارَتْ بِفُتْيَاكَ الرُّكْبَانُ، وَقَالَتْ فِيْهَا الشُّعَرَاءُ، قَالَ: وَمَا قَالُوْا؟ قُلْتُ، قَالُوْا:

قَدْ قُلْتُ لِلشَّيْخِ لَمَّا طَالَ مَجْلِسُهُ يَا صَاحِ هَلْ لَكَ فِيْ فُتْيَا ابْنِ عَبَّاسٍ

هَلْ لَكَ فِيْ رُخْصَةِ الْأَطْرَافِ آنِسَةٌ تَكُوْنُ مَثْوَاكَ حَتّٰى مَصْدَرِ النَّاسِ

فَقَالَ: سُبْحَانَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ مَا بِهٰذَا أَفْتَيْتُ، وَمَا هِيَ إِلَّا كَالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَلَحْمِ الْخِنْزِيْرِ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِلْمُضْطَرِّ

(نصب الرایہ از علامہ عبد اللہ بن یوسف الزیلعی: (المتوفی 762ھ)، ج: 3، ص: 230، فصل فی بیان المحرمات۔ تفسیر روح المعانی: سورۃ النساء، آیت: 24)

ترجمہ: میں نے سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: گھڑ سوار آپ کے فتویٰ کو لے کر پھیل چکے ہیں (یعنی آزاد طبع اشخاص نے آپ کے فتویٰ کو پھیلا دیا ہے اور خوب نفع اٹھا رہے ہیں) اور اس بارے میں شعراء شعر کہہ رہے ہیں، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: شعراء نے کیا کہا؟ میں نے عرض کی انہوں نے یہ کہا:

جب شیخ کی صحبت (کی مدت) بہت لمبی ہو گئی تو میں نے ان سے کہا اے جناب! کیا آپ کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ ہے؟

کیا آپ کے پاس (عورت کے) مرغوب اعضاء (سے نفع اٹھانے) کی رخصت ہے۔ (اگر یہ ہے تب) آپ کی قیام گاہ مرجع خلائق بن جائے گی۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: سبحان اللہ! میں نے ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا، متعہ کی مثال تو مردار، خون اور خنزیر کی طرح ہے جو صرف مضطر کے حق میں مباح ہے۔

وضاحت: درج بالا عبارت سے صراحتاً معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متعہ کو میتہ، دم اور خنزیر کی طرح حرام سمجھتے تھے۔ آپ متعہ کی اباحت کے قائل کیسے ہو سکتے تھے؟۔

خلاصہ:

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آراء تابعین کرام تک پہنچیں، ان کی آگے تبع تابعین تک، تبع تابعین کی آگے ان کے شاگردوں تک۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا اور ہر ایک نے اپنے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی رائے پر عمل کیا تو اس طرح فروعی مسائل میں اختلاف کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

(حجۃ اللہ البالغۃ: ص:140 تا144، باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء، نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

بیان طبقات المسائل:

مفتی کے لیے مسائل کے طبقات کو جاننا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ تعارض کے وقت اعلیٰ کو ادنیٰ پر ترجیح دے سکے۔ مسائل کے تین طبقات ہیں:

1: مسائل الاصول:

وہ مسائل جو احناف کے ائمہ ثلاثہ یعنی امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (ت:150) امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (ت: 182ھ) اور امام محمد بن حسن الشیبانی (ت: 189ھ) رحمہم اللہ سے مروی ہیں۔ کبھی ان حضرات کے ساتھ امام زفر بن ھذیل ت:158ھ) اور امام حسن بن زیاد (ت:204ھ) بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان تمام حضرات سے مروی مسائل امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی کتب ستّہ میں درج ہیں۔ وہ چھ کتابیں جنہیں کتب ظاہر الروایۃ بھی کہا جاتا ہے، درج ذیل ہیں:

(1) کتاب الاصل، اسے کتاب المبسوط بھی کہا جاتا ہے (2) جامع صغیر (3) جامع کبیر (4) سِیَر صغیر (5) سِیَر کبیر (6) زیادات

فائدہ: امام علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) لکھتے ہیں:

"وَاِنَّمَا سُمِّیَتْ بِظَاهِرِ الرِّوَایَةِ لِاَنَّهَا رُوِیَتْ عَنْ مُحَمَّدٍ بِرِوَایَةِ الثِّقَاتِ فَهِیَ ثَابِتَةٌ عَنْه اِمَّا مُتَوَاتِرَةً اَوْ مَشْهُوْرَةً عَنْه"

(شرح عقود رسم المفتی: ص:27، قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: ان کتب کو ظاہر الروایۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ان کی سند و نسبت نہایت مضبوط ہے، اس طور پر کہ یہ کتابیں امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ (ت:189ھ) سے بطریق تواتر ثابت ہیں یا (کم از کم انہیں) مشہور کا درجہ تو ضرور حاصل ہے۔

2: مسائل النوادر:

مسائل النوادر میں درج ذیل قسم کے مسائل شامل ہیں:

1: وہ مسائل جو امام محمد رحمہ اللہ کی کتب ستہ کے علاوہ دیگر کتب مثلاً کیسانیات، جرجانیات، رقیات اور ہارونیات وغیرہ میں درج ہیں۔

2: وہ مسائل جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ کی کتب میں مذکور ہیں جیسے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی کتب۔

علامہ محمد بن ابی یعقوب اسحاق المعروف ابن ندیم (ت:380ھ) حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وَلِاَبِیْ یُوْسُفَ مِنَ الْکُتُبِ فِی الْاُصُوْلِ وَ الْاَمَالِیْ کِتَابُ الصَّلٰوةِ، کِتَابُ الزَّکٰوةِ، کِتَابُ الصِّیَامِ، کِتَابُ الْفَرَائِضِ، کِتَابُ الْبُیُوْعِ، کِتَابُ الْحُدُوْدِ، کِتَابُ الْوَکَالَةِ، کِتَابُ الْوَصَایَا، کِتَابُ الصَّیْدِ وَ الذَّبَائِحِ، کِتَابُ الغَصَبِ وَالْاِسْتِبْرَاء۔

وَلِاَبِیْ یُوْسُفَ اِمْلَاءٌ رَوَاہُ بِشْرُ بْنُ الْوَلِیْدِ الْقَاضِیْ، مُحْتَوِیْ عَلٰی سِتَّۃٍ وَّ ثَلَاثِیْنَ کِتَاباً مِمَّا فَرَّعَہٗ اَبُوْیُوْسُفَ، کِتَابُ اِخْتِلَافِ الْاَمْصَارِ، کِتَابُ الرَّدِّ عَلٰی مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ، کِتَابُ رِسَالَتِہٖ فِی الْخِرَاجِ الرَّشِیْدِ، کِتَابُ الْجَوَامِعِ، اَلَّفَہٗ لِیَحْیَی بْنِ خَالِدٍ، یَحْتَوِیْ عَلٰی اَرْبَعِیْنَ کِتَاباً ذُکِرَ فِیْہِ اخْتِلَافُ النَّاسِ، وَالرَّأْیُ الْمَأْخُوْذُ بِہٖ.

(الفہرست لابن ندیم: ص:344، طبع دار الکتب العلمیۃ)

ترجمہ: امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی اصول اور امالی میں چند کتابیں یہ ہیں۔ کتاب الصلوۃ، کتاب الزکوۃ، کتاب الصیام، کتاب الفرائض، کتاب البیوع، کتاب الحدود، کتاب الوکالۃ، کتاب الوصایا، کتاب الصید والذبائح، کتاب الغصب اور کتاب الاستبراء۔

اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی املاء شدہ کتاب تھی جسے آپ سے بشر بن ولید القاضی نے روایت کیا، یہ 36 اجزاء پر مشتمل ہے، ان میں سے چند ایک کی امام ابو یوسف نے تفریع کی۔ مثلاً: کتاب اختلاف الامصار، کتاب الرد علی مالک بن انس، کتاب الرسالہ فی الخراج الرشید، کتاب الجوامع اسے یحییٰ بن خالد (البرمکی جو عباسی دور سلطنت میں وزیر تھا) کے لیے ترتیب دیا تھا۔ یہ 40 اجزاء پر مشتمل ہے۔ اس میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے مسائل میں اختلاف اور آراء مذکور ہیں۔

علامہ محمد بن ابی یعقوب اسحاق المعروف ابن ندیم (ت:380ھ) حضرت امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں:

وَلَہٗ مِنَ الْکُتُبِ: کِتَابُ الْمُجَرَّدِ لِاَبِیْ حَنِیْفَۃَ، رِوَایَتُہٗ، کِتَابُ اَدَبِ الْقَاضِیْ، کِتَابُ الْخِصَالِ، کِتَابُ مَعَانِی الْاِیْمَانِ، کِتَابُ النَّفَقَاتِ، کِتَابُ الْخِرَاجِ، کِتَابُ الْفَرَائِضِ، کِتَابُ الْوَصَایَا.

(الفہرست لابن ندیم: ص:346، طبع دار الکتب العلمیۃ)

ترجمہ: امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ (ت:204ھ) کی چند تصانیف یہ ہیں۔ کتاب المجرد لابی حنیفہ اسے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے آپ نے روایت کیا ہے۔ کتاب ادب القاضی، کتاب الخصال، کتاب معانی الایمان، کتاب النفقات، کتاب الخراج، کتاب الفرائض، کتاب الوصایا۔

3: وہ مسائل جنہیں امام محمد رحمہ اللہ کا ایک ہی شاگرد روایت کرے، جیسے ابو عبد اللہ محمد بن سماعۃ التمیمی (ت:233ھ)، عصام بن یوسف (ت:215ھ)، امام ابو حفص الکبیر البخاری (ت:217ھ)، امام موسیٰ بن سلیمان (ت:200ھ) اور ابراہیم ابن رستم ابو بکر المروزی (ت:211ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فائدہ:

کیسانیات: امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد سلیمان بن شعیب الکیسانی رحمہ اللہ (ت:278ھ) کی طرف منسوب ہے کیوں کہ امام محمد رحمہ اللہ سے آپ نے روایت کی ہے۔

جرجانیات: یہ امام محمد رحمہ اللہ کے شاگرد علی بن صالح الجرجانی رحمہ اللہ (ت:220ھ، ایک قول کے مطابق) کی طرف منسوب ہے۔

رقیات: جن دنوں امام محمد رحمہ اللہ رَقَّہ شہر (فُرات کا مشہور شہر ہے) میں قضاء کے منصب پر فائز تھے، اس دوران جن مسائل کی تفریع و تخریج کی انہیں رقیات کہا جاتا ہے۔

ہارونیات: وہ مسائل ہیں جو امام محمد رحمہ اللہ نے ہارون رشید (ت:192ھ) کے لیے یا اس سے تعلق کے زمانے میں مرتب کئے تھے۔

علامہ حاجی خلیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ چاروں کتابوں کا تذکرہ ایک ساتھ کیا ہے، مرحوم فرماتے ہیں:

مَسَائِلُ الرَّقِّيَّاتِ وَالْجُرْجَانِيَّاتِ ، وَالْكَيْسَانِيَّاتِ وَالْهَارُوْنِيَّاتِ لِلْإِمَامِ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ الشَّيْبَانِيْ جَمَعَهَا حِيْنَ قَضَاءُهٗ فِيْ تِلْكَ الْبِلَادِ

(کشف الظنون: ج:2، ص:548، طبع مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

ترجمہ: مسائل رَقِّیَّات، جُرجانیات، کیسانیات اور ہارونیات، امام محمد بن حسن رحمہ اللہ کی کتب ہیں، جنہیں آپ نے اس وقت جمع کیا تھا جب ان شہروں کے عہدۂ قضاء پر فائز تھے۔

فائدہ: مسائل نوادرہ کو غیر ظاہر الروایہ کہا جاتا ہے اس وجہ سے کہ ان مسائل کی سند مذکورہ کتب ستہ کے مسائل کی طرح صحیح، مضبوط اور مشہور نہیں۔

(شرح عقود رسم المفتی: ص:27)

3: فتاویٰ، نوازل وواقعات

نوازل نازلہ کی جمع ہے۔ اس کا معنیٰ ہے پیش آمدہ واقعہ۔ اصطلاح میں نوازل سے مراد وہ نئے مسائل ہیں جو ائمہ متقدمین کا زمانہ گزر جانے کے بعد پیش آئے ہوں اور ائمہ متقدمین سے ان کے بارے میں کوئی صریح روایت منقول نہ ہو، بعد کے مجتہدین فقہاء نے ان کا استنباط کیا ہو۔

یہ بعد کے مجتہدین امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے شاگرد، ان کے شاگرد اور ان کے بعد والے ہیں۔ علامہ عالم بن العلاء الانصاری الدہلوی (ت:786ھ) تحریر فرماتے ہیں:

اَلْقِسْمُ الثَّالِثُ كُتُبُ الْفَتَاوٰى وَالْوَاقِعَاتِ وَهِيَ الْكُتُبُ الَّتِيْ تَشْتَمِلُ عَلٰى مَسَائِلَ اِسْتَنْبَطَهَا الْمُتَأَخِّرُوْنَ فِيْمَا سُئِلُوْا عَنْ مَسَائِلَ لَا رِوَايَةَ فِيْهَا لِلْمُتَقَدِّمِيْنَ . وَالْمُتَأَخِّرُوْنَ هُمْ اَصْحَابُ اَبِيْ يُوْسُفَ وَمُحَمَّدٍ وَاَصْحَابُ مَنْ بَعْدَهُمْ وَهُمْ كَثِيْرُوْنَ۔

وَاَوَّلُ كِتَابٍ دُوِّنَ فِي الْفَتَاوٰى هُوَ كِتَابُ النَّوَازِلِ لِلْفَقِيْهِ اَبِي اللَّيْثِ السَّمَرْقَنْدِيْ ثُمَّ جَمَعَ الْمَشَائِخ بَعْدَهٗ كُتُباً اُخْرٰى مِنْهَا مَجْمُوْعُ النَّوَازِلِ وَالْوَاقِعَاتِ لِلنَّاطِفِيْ وَالْوَاقِعَاتِ لِلصَّدْرِ الشَّهِيْدِ۔

(الفتاوی التاتار خانیہ للعلامہ عالم بن العلاء الدہلوی: ج:1، ص:22، مراتب الکتب فی الفقہ الحنفی)

ترجمہ: تیسری قسم میں فتاویٰ اور واقعات کی کتب ہیں۔ یہ کتب ایسے مسائل پر مشتمل ہیں جن کو متأخرین فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مستنبط کیا ہو ان کے بارے متقدمین فقہاء کرام سے کوئی روایت منقول نہ ہو۔ متأخرین فقہاء میں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے تلامذہ اور آگے ان کے تلامذہ شامل ہیں، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ فتاویٰ کے عنوان پر "کتاب النوازل" کے نام سے امام ابو اللیث سمر قندی رحمہ اللہ (ت:375) نے سب سے پہلی کتاب مدوّن کی، پھر بعد کے مشائخ نے اس عنوان پر کافی ساری کتابیں لکھیں ان میں سے امام الناطفی (احمد بن محمد ابو العباس الناطفی، ت:446ھ) کی "النوازل اور الواقعات" اسی طرح امام صدر الشہید (حسام الدین عمر بن عبد العزیز برھان الامت، ت:536ھ) کی کتاب "الواقعات" سر فہرست ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک طبقاتِ مسائل:

امام احمد بن عبد الرحیم المعروف شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (ت:1176ھ) کے نزدیک مسائل کے طبقات چار ہیں، آپ تحریر

فرماتے ہیں:

اَنَّ الْمَسَائِلَ عَلیٰ أَرْبَعَۃِ أَقْسَامٍ ، قِسْمٌ تَقَرَّرَ فِيْ ظَاھِرِ الْمَذْھَبِ وَحُکْمُہٗ أَنْ یُّقْبَلُوْہُ عَلیٰ کُلِّ حَالٍ وَافَقَتِ الْأُصُوْلَ أَوْ خَالَفَتْ...... وَقِسْمٌ ھُوَ رِوَایَۃٌ شَاذَّۃٌ عَنْ أَبِيْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ وَصَاحِبَیْہِ وَحُکْمُہٗ أَنْ لَّا یُقْبَلُوْہُ إِلَّا إِذَا وَافَقَ الْأُصُوْلَ ...... وَقِسْمٌ ھُوَ تَخْرِیْجٌ مِّنَ الْمُتَأَخِّرِیْنَ اتَّفَقَ عَلَیْہِ جُمْھُوْرُ الْأَصْحَابِ وَحُکْمُہٗ أَنَّھُمْ یُفْتُوْنَ بِہٖ عَلیٰ کُلِّ حَالٍ وَقِسْمٌ ھُوَ تَخْرِیْجٌ مِّنْھُمْ لَمْ یَتَّفِقْ عَلَیْہِ جُمْھُوْرُ الْأَصْحَابِ وَحُکْمُہٗ أَنْ یَّعْرِضَہُ الْمُفْتِيْ عَلَی الْأُصُوْلِ وَالنَّظَائِرِ مِنْ کَلَامِ السَّلَفِ فَإِنْ وَجَدَہٗ مُوَافِقاً لَّھَا أَخَذَ بِہٖ وَإِلَّا تَرَکَہٗ

(عقد الجید في أحکام الاجتھاد والتقلید: ص:19)

ترجمہ:

1: وہ مسائل جو کتب ظاہر الروایۃ میں موجود ہیں۔

حکم: ان کو بہر حال قبول کیا جائے گا خواہ اصول کے موافق ہوں یا مخالف۔

2: وہ شاذ روایات جو امام صاحب اور صاحبین رحمہم اللہ کی طرف منسوب ہیں۔

حکم: اگر یہ روایات اصول کے موافق ہوں تو مقبول ورنہ غیر مقبول۔

3: متاخرین مجتہدین کے وہ استنباطی مسائل جو متفق علیہ ہیں۔ یعنی جن پر جمہور اصحاب کا اتفاق ہو۔

حکم: ان مسائل پر بہر حال فتویٰ دیا جائے گا۔

4: متاخرین مجتہدین کے وہ استنباطی مسائل جن پر جمہور اصحاب متفق نہیں ہیں۔ یعنی وہ مسائل مختلف فیہ ہیں۔

حکم: مفتی ان مسائل کو سَلَف کے اصول و نظائر پر پیش کرے اگر موافق پائے تو عمل کرے ورنہ ترک کر دے۔

(عقد الجید فی احکام الاجتھاد والتقلید: ج:1، ص:19)

فائدہ نمبر 1: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ لکھتے ہیں:

"وَالْأَصْلُ الْمَعْمُوْلُ بِہٖ عِنْدَ فُقَھَاءِ الْحَنَفِیَّۃِ اَنَّھُمْ یُفْتُوْنَ بِظَاھِرِ الرِّوَایَۃِ ، وَلَا یَأْخُذُوْنَ بِالنَّوَادِرِ اِنْ عَارَضَتْ ظَاھِرَ الرِّوَایَۃِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ وَلٰکِنْ ذَکَرَ الشَّیْخُ بَدْرُ عَالَمٍ وَالشَّیْخُ اَحْمَدُ رَضَا الْبِجْنَوْرِیُّ رَحِمَھُمَا اللّٰہُ عَنْ شَیْخِ مَشَایِخِنَا الْاِمَامِ اَنْوَر شَاہ الْکَشْمِیْرِيِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَنَّہٗ قَالَ فِيْ اَمَالِیْہِ عَلیٰ صَحِیْحِ الْبُخَارِيِّ إِنَّہٗ یَخْتَارُ مِنْ رِوَایَاتِ الْاِمَامِ اَبِيْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مَاکَانَ اَقْرَبَ اِلَی الْحَدِیْثِ ، سَوَاءٌ کَانَ مِنَ الرِّوَایَاتِ النَّادِرَۃِ اَوْ غَیْرِ الْمَشْھُوْرَۃِ عَنْہُ"۔

(اصول الافتاء وآدابہ: 141، انوار الباری: ج:9، ص:282، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

ترجمہ: فقہاء احناف کے ہاں اصل قاعدہ جس پر عمل کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ حضرات ظاہر الروایۃ کے مطابق ہی فتویٰ دیتے ہیں، اگر کہیں ظاہر الروایۃ اور مسائل نوادر معارض آجائیں تو نوادر پر بہت کم عمل کرتے ہیں، لیکن مولانا بدر عالم میر ٹھی (ت:1358ھ) اور مولانا احمد رضا بجنوری (ت:1418ھ بمطابق 1998ء) رحمہا اللہ تعالیٰ نے خاتم المحدّثین امام انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (ت:1353ھ) کی یہ بات نقل کی ہے کہ آپ نے صحیح بخاری کی اپنی درسی تقریر میں ارشاد فرمایا: امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (ت:150ھ) رحمہ اللہ کی روایات میں سے اس روایت کو اختیار کیا جائے گا جو حدیث پاک کے زیادہ قریب ہو گی، خواہ وہ روایت نادرہ میں سے ہو یا مشہور روایات کے علاوہ ہو۔

علامہ محمد امین بن عمر المعروف ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) فرماتے ہیں:

مَاكَانَ مِنَ الْمَسَائِلِ فِي الْكُتُبِ الَّتِيْ رُوِيَتْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَسَنٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى رِوَايَةً ظَاهِرَةً يُفْتىٰ بِهٖ ، وَاِنْ لَّمْ يُصَرِّحُوْا بِتَصْحِيْحِهٖ ۔ نَعَمْ لَوْ صَحَّحُوْا رِوَايَةً اُخْرىٰ مِنْ غَيْرِ كُتُبِ ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ يُتَّبَعُ مَا صَحَّحُوْهُ

(شرح عقود رسم المفتی: ص26، اصول الافتاء وآدابہ ص 141 تا 143)

ترجمہ: وہ مسائل جو ایسی کتابوں میں ہیں جنہیں امام محمد بن حسن رحمہ اللہ تعالیٰ سے مشہور روایات کے ساتھ نقل کیا گیا ہے تو انہیں مسائل پر فتویٰ دیا جائے گا اگرچہ فقہاءِ حنفیہ نے ان روایات کی تصحیح صراحتاً نہ کی ہو۔ہاں اگر ظاہر الروایۃ کے علاوہ کسی اور کتاب میں ایسی روایت موجود ہو جس کی صحت کی تصریح فقہاءِ حنفیہ نے کر دی ہو تو اب اس تصحیح شدہ روایت پر عمل کیا جائے گا۔

فائدہ نمبر 2:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ نے نصف درجن کے قریب ایسی مثالیں نقل فرمائی ہیں جن میں ظاہر الروایہ کے بجائے روایۃ النوادر پر فتویٰ دیا گیا ہے ان مسائل میں سے چند بطور مثال حسب ذیل ہیں:

1: اگر بیوی مرتد ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ظاہر الروایۃ کے مطابق ایسی عورت کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اس بات پر بھی مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے سابق خاوند کے ہی ساتھ نیا نکاح کرے۔ اس سلسلے میں "روایۃ النوادر" یہ ہے کہ ایسی عورت کو دارالاسلام میں باندی بنا دیا جائے گا اور یہ مسلمانوں کے لئے مال فئی کے حکم میں ہو گی۔ پھر سابق خاوند اسے حاکم وقت سے خرید لے گا اگر اس کی طاقت نہیں رکھتا وہ خود مستحق ہو تو حاکم وقت اسے بلا معاوضہ ہدیہ کر دے گا، پھر یہ تجدید نکاح کر لیں گے۔ ہمارے بہت سے مشائخ نے اسی روایت نوادر پر فتویٰ دیا ہے اور فرمایا ہے کہ عورتوں میں آج کل بے دینی کا غلبہ ہے اس وجہ سے ان میں ارتداد کے افعال واقوال زیادہ پائے جاتے ہیں۔ لہٰذا روایت نوادر پر فتویٰ دینا احوط ہے۔

لیکن مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ (ت:1396ھ) فرماتے ہیں:

"لَا يُمْكِنُ الْعَمَلُ الْيَوْمَ بِظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَلَا بِرِوَايَةِ النَّوَادِرِ لِعَدَمِ قُوَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ عَلَى الْعَمَلِ بِذٰلِکَ فَلَا سَبِيْلَ اِلَّا اِلَى الْقَوْلِ بِمَا اَفْتىٰ بِهٖ مَشَائِخُ سَمَرْقَنْدَ وَبُخَارَا مِنْ اَنْ لَّا يَنْفَسِخَ بِرِدَّتِهَا ."

(اصول الافتاء وآدابہ: 144)

ترجمہ: آج کل نہ تو ظاہر الروایہ پر عمل کرنا ممکن ہے نہ ہی روایت نوادر پر کیوں کہ مسلمانوں میں ان پر عمل کرنے کی قوت اور طاقت ہی نہیں رہی۔ لہٰذا اب اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں کہ اس قول پر فتویٰ دیا جائے جس پر مشائخ سمرقند وبخارا نے فتویٰ دیا ہے کہ بیوی کے مرتد ہونے سے اس کا نکاح فسخ ہی نہیں ہو گا۔

ملحوظہ: مرتدہ عورت بہ دستور اس سابق خاوند کے قبضے میں رہے گی، اس کا کسی دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک جماع اور دواعی جماع کو جائز نہ کہا جائے گا۔

(تفصیل کے لئے دیکھیے جواہر الفقہ: ج:4، ص:287 تا 303، مکتبہ دار العلوم کراچی)

2: قاضی کے فیصلے کے نافذ ہونے کے لیے شہر ہونا شرط ہے یا نہیں؟۔ ظاہر الروایہ کے مطابق شہر ہونا شرط ہے جبکہ روایت نوادر یہ ہے کہ شہر ہونا شرط نہیں اور فتویٰ اسی قول پر ہے۔

3: ظاہر الروایہ کے مطابق مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص کسی عورت کے کسی چیز پر اقرار کرنے کی گواہی دے تو قبول شہادت کے لیے

شرط یہ ہے کہ اس نے تحملِ شہادت (یعنی عورت سے الفاظِ اقرار سنتے وقت) کے وقت اس عورت کا چہرہ دیکھا ہو۔ جب کہ روایتِ نوادر کے مطابق قبولِ شہادت کے لیے بوقتِ تحملِ شہادت عورت کا چہرہ دیکھنا کوئی ضروری نہیں اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے۔

(اصول الافتاء وآدابہ:145)

قواعدِ افتاء:

منصبِ افتاء کوئی معمولی چیز نہیں کہ کوئی بھی بندہ دو چار کتابیں پڑھ کے فتویٰ دینا شروع کر دے، بلکہ مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس وقت تک فتویٰ نہ دے جب تک چند قواعد کو ملحوظ نہ رکھ لے۔ ذیل میں افتاء سے متعلق چند قواعد تحریر کیے جاتے ہیں۔

قاعدہ اولیٰ:

جب تک کتب فقہ کو ماہر اساتذہ کے زیر نگرانی نہ پڑھا جائے اس وقت تک افتاء جائز نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی آدمی کتب فقہ کا از خود مطالعہ کرے اور فتویٰ نویسی شروع کر دے تو یہ بالکل جائز نہیں۔ کیوں کہ اس میں بہت سے مفاسد ہیں، مثلاً: بعض اوقات فقہاء کرام اپنی کتب میں ایک مسئلہ مطلقاً ذکر کرتے ہیں مگر اس سے مقصود کوئی مقید شے ہوتی ہے۔ مطلق ذکر کرنے کی وجہ یا تو وہ قیودات ہوتی ہیں جو ما قبل میں گزر چکی ہوتی ہیں یا پھر فہمِ قاری پر اعتماد کرتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔ اب جو ذاتی مطالعہ کی بناء پر فتویٰ دینا شروع کرے گا تو وہ عبارت کے سیاق و سباق کو کَمَا حَقُّہٗ نہ سمجھ سکے گا، جس کی وجہ سے خلاف مقصود چیز کا مرتکب ہو گا۔ اس کے برعکس جو ماہر اساتذہ کے زیر نگرانی ہو گا وہ پھسلنے لگے گا تو استاذ اسے متنبہ کر دے گا۔

قاعدہ ثانیہ:

افتاء کے لیے صرف اساتذہ سے فقہ کی کتب پڑھ لینا کافی نہیں، بلکہ فتویٰ دینا اس وقت تک درست نہیں جب تک اس میں احکام کے اصول، قواعد اور عِلَل کی معرفت پیدا نہ ہو جائے اور وہ کتب معتبرہ و غیر معتبرہ کے درمیان امتیاز نہ کر لے۔ اس معرفت و صلاحیت اور ملکہ کے حصول کی علامت یہ ہے کہ ماہر اساتذہ اسے افتاء کی اجازت مرحمت فرما دیں۔

قاعدہ ثالثہ:

اگر کوئی ایسا مسئلہ سامنے آئے جس میں فقہاءِ احناف (خواہ وہ متقدمین حضرات ہوں یا متأخرین) کا ایک ہی قول ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس پر عمل کرے۔ وہ مسئلہ خواہ کتبِ ظاہر الروایۃ کا ہو یا نوادر کا، فتاویٰ کا ہو یا نوازل و واقعات کا۔ ہاں اگر مفتی کو اس بات کا کامل یقین ہو کہ یہ مسئلہ معلول بالعلّۃ ہے اور وہ علت اب مفقود ہو چکی ہے۔ اس صورت میں مفتی اس قول کے خلاف پر عمل کر سکتا ہے۔

قاعدہ رابعہ:

اگر کسی مسئلہ کے بارے میں دو یا دو سے زائد مختلف اقوال یا مختلف روایتیں ہوں تو مفتی اس پر عمل کرے جسے اصحابِ ترجیح نے راجح قرار دیا ہو۔ مفتی پر اس ترجیح شدہ قول پر عمل کرنا ضروری اس لیے ہے کہ اصحابِ ترجیح نے کمالِ تقویٰ و طہارت کے ساتھ، نہایت احتیاط اور مضبوط دلائل کی بنیاد پر اسے راجح قرار دیا ہے اور اس ترجیح والے عمل میں انہوں نے لوگوں کی ضرورت، زمانے کی تبدیلی اور عرف وغیرہ کو بھی ضرور پیشِ نظر رکھا ہو گا۔

قاعدہ خامسہ:

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ افتاء کے معاملے میں صرف کتبِ معتبرہ پر اعتماد و بھروسہ کرے، کتبِ غیر معتبرہ سے ہرگز مسئلہ

بیان نہ کرے، اِلّایہ کہ وہ معتمد اصول سے مکمل واقفیت رکھتا ہو۔ نیز وہ مفتی اصحابِ ترجیح کے علاوہ کسی اور کی ترجیح پر اعتماد نہ کرے۔

کتبِ معتبرہ:

کتبِ معتبرہ سے مراد وہ کتبِ فقہ ہیں جن پر اصحاب مذہب کے متبحر علماء نے اعتماد کا اظہار کیا ہے اور وہ ان کتب سے فتویٰ دیتے رہے ہیں۔

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) متون معتبرہ کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

ثُمَّ لَا یَخْفیٰ اَنَّ الْمُرَادَ بِالْمُتُوْنِ: اَلْمُتُوْنُ الْمُعْتَبَرَةُ كَالْبِدَايَةِ وَمُخْتَصَرِ الْقُدُوْرِیْ وَالْمُخْتَارِ وَالنُّقَايَةِ وَالْوِقَايَةِ وَالْكَنْزِ وَالْمُلْتَقیٰ ،فَاِنَّهَا الْمَوْضُوْعَةُ لِنَقْلِ الْمَذْهَبِ مِمَّا هُوَ ظَاهِرُ الرِّوَايَةِ بِخِلَافِ مَتْنِ الْغُرَرِ لِمُلَّا خُسْرو وَمَتْنُ التَّنْوِيْرِ لِلتَّمَرْ تَاشِیْ الْغَزِّیِّ ،فَاِنَّ فِيْهِمَا كَثِيْراً مِنْ مَسَائِلِ الْفَتَاوٰی۔

(شرح عقود رسم المفتی:ص:72)

ترجمہ: پھر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ متون سے مراد متون معتبرہ ہیں، جیسے بدایۃ، مختصر القدوری، المختار، النقایۃ، الوقایۃ، الکنز، الملتقیٰ، اس لیے کہ یہ سب کتب مذہب کے ان اقوال کو نقل کرنے کے لیے تصنیف کی گئی ہیں جو ظاہر الروایۃ ہیں لیکن ملّا خسرو کا متن "الغرر" اور علامہ تمر تاشی کا متن "التنویر" اس درجہ کے متون نہیں ہیں کیوں کہ ان میں فتاویٰ کے مسائل بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔

فائدہ: علامہ شامی رحمہ اللہ نے جن متون کا تذکرہ فرمایا ذیل میں ان کا مختصر تعارف تحریر کیا جاتا ہے۔

1. **مختصر القدوری:** فقہ حنفی کے متون اربعہ میں سے ایک مختصر القدوری بھی ہے۔ یہ کتاب امام ابو الحسین احمد بن ابی بکر البغدادی القدوری رحمہ اللہ (ت:428ھ) کی تصنیف ہے آپ حنفی مذہب کے بلند پایہ فقیہ اور عظیم محدث تھے۔ فقہ حنفی کی بیسیوں کتابوں سے بارہ ہزار مسائل کا انتخاب کر کے آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کی عظمت کے لیے یہی کافی ہے کہ عہد تصنیف سے اب تک علماء کرام اس سے مستفیض ہوتے ہیں اور تاحال مدارس دینیہ میں داخل نصاب ہے۔
2. **البدایۃ:** اس کتاب کا پورا نام "بدایۃ المبتدی فی الفروع" ہے۔ یہ مشہور حنفی فقیہ امام ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ (ت:593ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب علامہ مرغینانی رحمہ اللہ کا وہی متن ہے جس کی شہرہ آفاق شرح آپ نے "الھدایۃ" کے نام سے لکھی تھی۔ اسی الھدایۃ کی وجہ سے علامہ مرغینانی رحمہ اللہ حلقہ علماء میں "صاحب ھدایۃ" کے نام سے معروف ہیں۔
3. **المختار:** اس کا پورا نام "المختار للفتویٰ" ہے، اس کا شمار فقہ حنفی کے متون اربعہ میں ہوتا ہے۔ اس کے مصنف ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود الموصِلی رحمہ اللہ (ت:683ھ) ہے۔ علامہ الموصلی نے خود اس کی شرح: الاختیار فی تعلیل المختار" کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔ متن اور شرح دونوں فقہاء کرام رحمہم اللہ کے ہاں معتبر و معتمد ہیں۔
4. **کنز الدقائق:** فقہ حنفی کے متونِ اربعہ میں سے ایک متن "کنز الدقائق" ہے۔ اس کے مصنف امام ابو البرکات حافظ الدین عبد اللہ بن احمد بن محمود النّسفی رحمہ اللہ (ت:710ھ) ہیں۔ آپ کا اسلوبِ تحریر بہت عمدہ اور بلیغ ہے۔ نہایت مختصر جملوں میں کثیر مسائل کو بیان کرنا آپ کا امتیازی وصف ہے۔ کنز الدقائق میں آپ نے اپنی کتاب "الوافی" کی شرح کی تلخیص کی ہے۔ یہ کتاب مدارس دینیہ میں تاحال شاملِ نصاب ہے۔
5. **الوقایہ:** اس کتاب کا شمار بھی فقہ حنفی کے متونِ اربعہ میں ہوتا ہے۔ اس کا پورا نام "وقایۃ الروایۃ فی مسائل

الھدایۃ" ہے۔ مصنف کا نام تاج الشریعہ جمال الدین محمود بن احمد بن عبید اللہ المحبوبی البخاری رحمہ اللہ ہے۔ آپ ساتویں صدی ہجری کے مشہور حنفی عالم، فقیہ، محقق اور مدقق تھے۔ آپ کو اپنے پوتے صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود رحمہ اللہ (ت:747ھ) سے بہت محبت تھی۔ فقہ حنفی کے مسائل ان کو حفظ کرانے کی خاطر آپ نے "ھدایہ" سے مسائل کا انتخاب کر کے "الوقایہ" کا متن تیار کیا۔

6. **النُقایۃ:** اس کے مصنف علامہ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود بن محمود رحمہ اللہ (ت:747ھ) ہیں۔ "نقایہ" کا معنی ہے عمدہ خلاصہ، آپ نے اپنے دادا کے تیار کردہ متن "الوقایہ" کا خلاصہ "النقایہ" کے نام سے تحریر فرمایا۔ نیز آپ نے "الوقایہ" کی شرح بھی لکھی جو "شرح الوقایہ" کے نام سے معروف ہے اور تاحال مدارس دینیہ میں داخل نصاب ہے۔

7. **متن الغرر:** اس کتاب کا پورا نام "غرر الاحکام" ہے۔ اس کے مصنف علّامہ محمد بن فراموز المعروف ملّا خسرو رحمہ اللہ (ت:885ھ) ہیں۔ آپ نے اپنے اس متن کی شرح خود لکھی جس کا نام "درر الحکام فی شرح غرر الاحکام" تجویز فرمایا۔ علامہ ملا خسرو رحمہ اللہ کے اس متن اور شرح کو اختصاراً "الدّرر والغرر" کہ دیا جاتا ہے۔ آپ رحمہ اللہ اصول و فروع کے جامع اور معقول و منقول پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

8. **ملتقیٰ الابحر:** اس کتاب کا پورا نام "ملتقی الابحر فی فروع الحنفیہ" ہے۔ یہ علامہ ابراھیم بن محمد الحلبی رحمہ اللہ (ت:956ھ) کا تحریر کردہ متن ہے۔ "ملتقی الابحر" کا معنی ہے دریاؤں کا سنگم، اس کتاب میں فقہ حنفی کے چاروں معتبر و مشہور متون؛ قدوری، کنز، مختار اور وقایہ کے مسائل کو جمع کیا گیا ہے اور ساتھ "ھدایہ" اور "مجمع البحرین" سے ضروری مسائل کا اضافہ کیا گیا ہے۔

9. **متن التنویر:** اس متن کا پورا نام "تنویر الابصار و جامع البحار" ہے۔ اس کے مصنف شیخ الاسلام علامہ محمد بن عبید اللہ بن احمد الخطیب التُّمر تاشی الغزی الحنفی رحمہ اللہ (ت:1004ھ) ہیں۔ اسے اختصاراً "التنویر" بھی کہا جاتا ہے، اس صورت میں الف لام مضاف الیہ کے عوض میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے "قال فی التنویر"۔

اس متن "التنویر" کی سب سے مشہور اور مقبول عام شرح علامہ علاؤالدین محمد بن علی الحصکفی رحمہ اللہ (ت:1088ھ) نے "الدّرالمختار" کے نام سے تصنیف فرمائی۔ اس کی ترکیب توصیفی ہے یعنی دونوں لفظوں کو معرفہ پڑھا جائے یا دونوں کو نکرہ؛ جیسے "الدّر المختار" یا "درّ مختار"۔ لہذا "درّ المختار" پڑھنا غلط ہے۔

کتبِ غیر معتبرہ:

فقہ کی ایسی کتابیں جن سے متبحر علماء نے فتویٰ نہ دیا ہو اور ان پر مکمل اعتماد کا اظہار نہ کیا ہو وہ غیر معتبر کتب ہیں ان سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ چند غیر معتبر کتب کے نام درج ذیل ہیں:

1: شرح النُّقایہ للقُھستانی

یہ کتاب "جامع الرموز" کے نام سے یہ مشہور ہے، اس کے مصنف امام شمس الدین محمد الخراسانی القھستانی (ت:950ھ) ہیں۔ آپ اس کی تصنیف سے سن 941ھ میں فارغ ہوئے، مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب میں صحیح ضعیف ہر طرح کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔

2:الدُّرُّ المختار

اس کتاب کا پورا نام " الدر المختار شرح تنویر الابصار " ہے۔ یہ علامہ محمد علاؤالدین الحصکفی الحنفی رحمہ اللہ (ت:1088ھ) کی بہترین تصنیف ہے۔

3:الأشباہ والنظائر

اس نام کی متعدد کتابیں ہیں مگر یہ کتاب علامہ زین الدین بن ابراھیم بن محمد المعروف ابنِ نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت:970ھ) کی تصنیف ہے۔

4:کتاب شرح کنز الدقائق

یہ کتاب شیخ معین الدین الھروی المعروف ملّا مسکین رحمہ اللہ (ت:954ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب "شرح ملّا مسکین" کے نام سے معروف ہے اس کا حاشیہ علامہ ابو العباس احمد بن محمد حَمُّوی رحمہ اللہ (ت:1098ھ) نے "فتح المعین علی شرح ملّا مسکین" کے نام سے تحریر کیا ہے

5:القِنیۃ از علامہ زاہدی

اس کتاب کا پورا نام " قنية المنية لتتميم الغنية " ہے۔ یہ ابو الرجاء نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی (ت:658ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ زاہدی اصولاً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے۔ اس لیے آپ کی کتابوں میں درج شدہ مسئلہ جب تک دیگر معتبر کتابوں کے موافق نہ ہو اسے معتبر نہیں سمجھا جاتا، یہ کتاب آپ کے استاد بدیع بن منصور کی "منیۃ الفقہاء" کا خلاصہ ہے۔

6:النہر الفائق شرح کنز الدقائق

یہ کتاب سراج الدین عمر بن ابراھیم ابن نجیم الحنفی (ت:1005ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مصنف فقہ حنفی کی مشہور و معتبر کتاب "البحر الرائق شرح کنز الدقائق" کے مصنف امام زین الدین بن ابراھیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی (ت:970ھ) کے چھوٹے بھائی ہیں۔

7:شرح الکنز از علامہ عینی

اس کتاب کا پورا نام "رمز الحقائق شرح کنز الدقائق" ہے۔ یہ علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ آپ کی وفات 855ھ میں ہوئی۔

8:السراج الوھاج

اس کتاب کا پورا نام "السراج الوھاج الموضح لکل طالب و محتاج" ہے۔ یہ امام ابو بکر بن علی الحدادی کی تصنیف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کی وفات 800ھ کے لگ بھگ ہوئی۔ یہ کتاب "مختصر القدوری" کی مبسوط شرح ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

9:الجوہرۃ النیرۃ

یہ کتاب بھی علامہ ابو بکر بن علی الحدادی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ "السراج الوھاج" کی تصنیف کے بعد "الجوہرۃ النیرۃ" کے نام سے اس کی تلخیص کی ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

10: خزانۃ الروایات

یہ کتاب قاضی جکن الحنفی الھندی ساکن قصبہ گجرات کی تصنیف ہے، یہ ایک جلد میں ہے، مصنف نے اس کتاب میں غریب اور کمزور روایات کو جمع کیا ہے۔ ان کی تاریخ وفات ان کے حالات میں موجود نہیں ہے۔

کتبِ غیر معتبرہ کے غیر معتبر ہونے کی وجوہات

پہلی وجہ:

کبھی کتاب اس وجہ سے غیر معتبر ہوتی ہے کہ اس کے مؤلف یا مصنف کا حال معلوم نہیں ہوتا، وہ مجہول ہوتا ہے۔ جیسے خزانۃ الروایات شرح الکنز از ملا مسکین اور قہستانی کی جملہ کتب۔

دوسری وجہ:

کتاب کے غیر معتبر ہونے کی وجہ کبھی یہ بن جاتی ہے کہ صاحبِ کتاب نے اپنی کتاب میں صحیح روایات کا التزام نہیں کیا ہوتا، بلکہ بغیر تحقیق و تنقیح کے ضعیف روایات بھی اس کتاب میں درج کر دی ہوتی ہیں۔ اگر چہ ذاتی طور پر صاحبِ کتاب مشہور و معروف اور معتمد ہوتا ہے۔

جیسے کنز العباد فی شرح الاوراد۔

فائدہ: علامہ مصطفیٰ بن عبد اللہ الحنفی الشہیر بالملّا کاتب المعروف بحاجی خلیفہ (ت:1067ھ) اس کتاب کے بارے لکھتے ہیں:

كَنْزُ الْعِبَادِ فِيْ شَرْحِ الْاَوْرَادِ: يَعْنِيْ اَوْرَادَ الشَّيْخِ الْاَجَلِّ مُحِيِّ السُّنَّةِ شِهَابِ الدِّيْنِ السُّهْرَوَرْدِيّ وَالشَّرْحَ لِبَعْضِ الْمَشَائِخِ فِيْ مُجَلَّدٍ مَّنْقُوْلٍ مِنْ كُتُبِ الْفَتَاوٰى وَالْوَاقِعَاتِ۔

(کشف الظنون: ج:2 ص:436)

ترجمہ: کنز العباد فی شرح الاوراد یعنی یہ کتاب قابلِ قدر شیخ شھاب الدین السھروردی رحمہ اللہ (ت:587ھ) کے اوراد و وظائف پر مشتمل ہے۔ بعض مشائخ کی طرف سے اس کی ایک جلد میں شرح بھی فتاویٰ اور واقعات کی کتابوں میں منقول ہے۔

مذکورہ دونوں قسموں کا حکم:

ان کتابوں میں درج شدہ ایسے مسائل جو کتب معتبرہ کے مخالف نہیں ان پر تو عمل کیا جائے گا۔ البتہ ایسے مسائل جو صرف انہی کتب میں درج ہوں معتبر کتب میں نہ ہوں تو توقف کرتے ہوئے غور کیا جائے، اگر وہ شرعی اور فقہی اصولوں میں داخل ہوں تو عمل کر لیا جائے ورنہ ان پر عمل کرنا اور فتویٰ دینا جائز نہ ہوگا۔

تیسری وجہ:

کتاب کے غیر معتبر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں مسئلہ اتنا مختصر ہوتا ہے جو فہم میں مخلّ ہوتا ہے۔ صرف اس مختصر عبارت سے پورا مسئلہ سمجھنا اور سیاق وسباق کا صحیح اندازہ لگانا انتہائی مشکل ہوتا ہے اگر چہ نفسِ کتاب اور صاحبِ کتاب دونوں معتبر و معتمد ہوتے ہیں۔

جیسے الدرّ المختار اور الاشباہ والنظائر۔

حکم: مذکورہ قسم کا حکم یہ ہے کہ انتہائی غور و تدبر اور شروحات و حواشی کے مراجعت کے بعد جب مفتی کو ان کتب میں درج مسئلہ کی مراد کا کامل یقین ہو جائے تو پھر وہ ان کے حوالے سے فتویٰ دے سکتا ہے۔

چوتھی وجہ:

کبھی مؤلف کا حال تو معلوم ہوتا ہے اور خود مؤلف بھی قابل اعتماد ہوتا ہے مگر اس کتاب کی صاحب کتاب کی طرف نسبت یقینی نہیں ہوتی بلکہ اس نسبت میں ضعف اور شک ہوتا ہے۔ جیسے کتاب المخارج والحِیَل لابی یوسف، الفتاویٰ العزیزیہ للشیخ عبد العزیز دہلوی

حکم: لہٰذا جب تک اس کے مضمون کی تائید کسی اور دلیل سے نہ ہو جائے صرف اسی پر اعتماد کرنا مناسب نہیں ہے۔

پانچویں وجہ:

کسی کتاب کے غیر معتبر ہونے کی ایک وجہ یہ بنتی ہے کہ وہ فقہ کے موضوع پر نہیں ہوتی بلکہ فقہ کے علاوہ دیگر موضوعات مثلاً تصوف، ادعِیہ، تفسیر اور حدیث وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ اور عموماً ایسی کتابوں کے مؤلفین فقہی کتب کی مراجعت کا اہتمام نہیں کرتے اس وجہ سے ان میں ایسے بہت سے مسائل پائے جاتے ہیں جو راجح مذہب کے خلاف ہوتے ہیں۔ حالانکہ ذاتی طور پر وہ مؤلفین بڑی شان و مرتبے والے ہوتے ہیں۔

حکم: مذکورہ دونوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کے مسائل؛ فقہ کی معروف، معتبر اور باوثوق کتب کے موافق ہوں تو ٹھیک، ورنہ ترک کر دئے جائیں گے۔

(اصول الافتاء وآدابہ: ص:174 تا 183)

منطوق و مفہوم

منطوق کی تعریف:

مَایَدُلُّ عَلَیْهِ لَفْظٌ مِّنْ اَلْفَاظِ الْعِبَارَةِ یُسَمّٰی "مَنْطُوْقاً" لِتِلْکَ الْعِبَارَةِ۔

ترجمہ: جس معنی پر عبارت کے الفاظ میں سے کوئی لفظ دلالت کر رہا ہو اسے عبارت کا "منطوق" کہتے ہیں۔

(منطوق کا معنی ہے: بولی ہوئی یعنی بیان کی ہوئی بات)

مفہوم کی تعریف:

مَایَدُلُّ عَلَیْهِ شَیْئٌ غَیْرُ اللَّفْظِ الْمَذْکُوْرِ فِیْ تِلْکَ الْعِبَارَةِ یُسَمّٰی "مَفْهُوْماً"

ترجمہ: جس معنی پر عبارت میں ذکر کردہ الفاظ کے علاوہ کوئی اور چیز دلالت کرے اس کا نام مفہوم رکھا جاتا ہے۔

(مفہوم کا معنی ہے: وہ بات جو کلام سے سمجھی گئی ہو)

(اصول الافتاء وآدابہ: ص194)

مفہومِ موافق و مخالف

مفہومِ موافق کی تعریف:

هُوَ دَلَالَةُ اللَّفْظِ عَلٰی ثُبُوْتِ حُکْمِ الْمَنْطُوْقِ لِمَسْکُوْتٍ بِمُجَرَّدِ فَهْمِ اللُّغَةِ بِلَا تَوَقُّفٍ عَلٰی رَأْیٍ وَ اجْتِهَادٍ

(شرح عقود رسم المفتی: ص80)

ترجمہ: مسکوت (غیر مذکور الفاظ جو ابھی تک بولے نہ گئے ہوں) کے لیے منطوق (مذکور الفاظ جو بولے گئے ہوں) کا حکم ثابت ہونے پر کسی لفظ کا دلالت کرنا اور یہ دلالت محض لغت اور محاورات سمجھنے کی وجہ سے ہو رائے اور اجتہاد پر موقوف نہ ہو۔ (آسان الفاظ میں یوں سمجھیں عبارت کا وہ مفہوم جو بغیر سوچے سمجھے سمجھ میں آجائے۔)

مثال: جیسے "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا" کی دلالت ضرب و شتم کی حرمت پر۔

ترجمہ: تو ان (والدین) کو اف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو (سورۃ بنی اسرائیل: 23)

مفہومِ مخالف کی تعریف:

هُوَ دَلَالَةُ اللَّفْظِ عَلٰی ثُبُوْتِ نَقِیْضِ حُکْمِ الْمَنْطُوْقِ لِلْمَسْکُوْتِ

(شرح عقود رسم المفتی: ص80)

ترجمہ: مسکوت (غیر مذکور الفاظ) کے لیے منطوق (مذکور الفاظ) کے حکم کی نقیض کے ثابت ہونے پر کسی لفظ کا دلالت کرنا۔ (آسان الفاظ میں یوں سمجھیں عبارت کا وہ مفہوم جو مدلول کے خلاف (نقیض) پر دلالت کرے۔)

مثال: حدیث پاک میں آیا ہے:

فِی الْإِبِلِ السَّائِمَةِ زَکٰوةٌ (اکثر سال) چرنے والے اونٹوں میں زکوٰۃ ہے۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے۔

"لَاتَجِبُ الزَّکوٰۃُ عَلَی الْاِبِلِ الْعَلُوْفَۃِ"(اکثر سال)گھروں میں چارہ کھانے والے اونٹوں پر زکوٰۃ نہیں۔

مفہوم مخالف کی اقسام:

مفہوم مخالف کی پانچ قسمیں ہیں:

1: مفہوم صفت

2: مفہوم شرط

3: مفہوم غایت

4: مفہوم عدد

5: مفہوم لقب۔

مفہوم صفت:

کوئی حکم کسی صفت پر لگایا جائے۔ جہاں پر وہ صفت ہو گی وہاں پہ وہ حکم بھی ہو گا۔ اگر صفت نہ ہو گی تو حکم بھی نہ ہو گا۔

مثال:

فِی الْاِبِلِ السَّائِمَۃِ زَکوٰۃٌ یعنی (اکثر سال) چرنے والے اونٹوں پر زکوٰۃ ہے۔ معلوم ہوا اگر جانور چرنے والے نہ ہوں گے تو زکوٰۃ بھی نہ ہو گی۔

مفہوم شرط:

کسی حکم کو شرط کے ساتھ معلق کر دیا جائے۔ جب وہ شرط منتفی ہو گی تو حکم بھی منتفی ہو گا۔

مثال:

"وَإِنْ كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ"

(سورۃ الطلاق:6)

اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو اس وقت نفقہ دیتے رہو جب تک کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں"

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے۔

اِنَّ الْاِنْفَاقَ لَا یَجِبُ عَلَی الْمُطَلَّقَۃِ الْمَبْتُوْتَۃِ الَّتِیْ لَیْسَتْ حَامِلَۃً۔

مطلقہ بائنہ جو حاملہ نہ ہو تو اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

مفہوم غایت:

کسی حکم کی کوئی حد مقرر کر دی جائے کہ اس حد پر آکر وہ حکم خود بخود منتفی ہو جائے۔

مثال:

"وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ"

(سورۃ المائدۃ:6)

اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے:

"اِنَّ مَاوَرَاءَ الْکَعْبَیْنِ لَا یَجِبُ غَسْلُہٗ" ٹخنوں سے اوپر پاؤں (دھونا) فرض نہیں ہے۔

مفہوم عدد:

کسی حکم کے لیے کوئی عدد مقرر کر دیا جائے کہ اس عدد کے علاوہ دیگر اعداد کو وہ حکم شامل نہ ہو گا۔

مثال:

"فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً"

(سورۃ النور:4)

تم ان کو 80 کوڑے لگاؤ"

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے:

لَا یُجْلَدُ فَوْقَ ثَمَانِیْنَ۔ 80 سے اوپر کوڑے نہ لگائے جائیں۔

مفہوم لقب:

کسی حکم کو اسم جامد کے ساتھ معلق کر دیا جائے اور اس کی نقیض اس اسم جامد کے علاوہ کے لیے ثابت ہو گی۔

مثال:

فِی الْغَنَمِ زَکوٰۃٌ" بکریوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے:

"لَیْسَ فِیْ غَیْرِ الْغَنَمِ زَکوٰۃٌ".

کہ بکریوں کے علاوہ میں زکوٰۃ نہیں۔

ملحوظہ: علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ (ت: 1441ھ) نے اپنی بے مثال تصنیف "آثار التشریع" میں مفہومِ موافق ومخالف کی تعریف اور ان کی اقسام مع امثلہ مذکورہ ترتیب سے قدرے مختلف طرز پر بیان فرمائی ہے۔ (آثار التشریع:ج:2،ص:114،115)

مفہومِ موافق ومخالف کا حکم:

مفہومِ موافق نصوصِ شرعیہ اور جمیع کتبِ فقہ میں معتبر ہے اور مفہومِ مخالف اپنی تمام اقسام کے ساتھ نصوص شرعیہ (قرآن وحدیث) میں تو معتبر نہیں ہے، البتہ اس کے علاوہ کتبِ فقہ وغیرہ میں معتبر ہے۔ لیکن واضح رہے کہ ان میں بھی مفہوم مخالف اس وقت معتبر ہو گا جب کہ وہ صراحت کے خلاف نہ ہو۔

نصوصِ شرعیہ اور عباراتِ فقہیہ میں فرق کی وجہ:

نصوصِ شرعیہ میں مفہومِ مخالف کے معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نصوص کی عبارات فصیح وبلیغ ہوتی ہیں اور بسا اوقات ان عبارات سے مقصود محض تاکید، توبیخ، تشنیع اور وعظ وتذکیر ہوتا ہے۔ وہ لفظ اپنے ماسبق کے لیے قید نہیں ہوتا کہ اس بناء پر مفہوم مخالف کو قابل عمل قرار دیا جائے۔ مثلاً:

1: "وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِيْ ثَمَنًا قَلِيلًا" "اور میری آیات کو معمولی قیمت لے کر نہ بیچو (البقرۃ: آیت نمبر:41، پ:1) اس آیت میں "قلیلًا" کا لفظ محض تشنیع کے لیے ہے، قید نہیں۔ اب مفہوم مخالف مراد لے کر یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ کتاب اللہ کو ثمنِ قلیل کے ساتھ تو نہیں بیچ سکتے البتہ ثمنِ کثیر کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔

2: لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً" تم کئی گناہ بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ" (آل عمران: آیت نمبر:135، پ:4) اب مفہوم مخالف کی بناء پر یہ کہنا جائز نہ ہو گا کہ رِبا کئی گنا ہو تو جائز نہیں البتہ کم ہو تو جائز ہے۔

اس کے بر عکس فقہی عبارات سے مقصود احکام شرعیہ کو قانونی طور پر مدوّن کرنا ہوتا ہے، اس میں تاکید و تشنیع کا احتمال نہیں ہوتا۔ اس لیے اس میں مفہوم مخالف قابل اعتبار ہے۔

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی (ت:1252ھ) تحریر فرماتے ہیں:

"مَفَاهِيْمُ الْكُتُبِ حُجَّةٌ بِخِلَافِ أَكْثَرِ مَفَاهِيْمِ النُّصُوْصِ"

ترجمہ: کتب فقہ میں مفہوم مخالف حجت ہے لیکن نصوص کے بیش تر مفہومات میں حجت نہیں ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَفِيْ غَايَةِ الْبَيَانِ عِنْدَ قَوْلِهِ: وَلَيْسَ عَلَى الْمَرْأَةِ أَنْ تَنْقُضَ ضَفَائِرَهَا: اِحْتَرَزَ بِالْمَرْأَةِ عَنِ الرَّجُلِ

ترجمہ: اور "غایۃ البیان" میں جس مقام پر صاحب ھدایہ نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ "غسل جنابت میں عورت پر اپنی مینڈھیاں کھولنا واجب نہیں"

اس کے تحت امام قوام الدین امیر کاتب الاتقانی رحمہ اللہ (ت:758ھ) فرماتے ہیں:

عورت کا لفظ ذکر کر کے "مرد" سے احتراز مقصود ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ مزید وضاحت فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

وَتَخْصِيْصُ الشَّيْئِ فِي الرِّوَايَاتِ يَدُلُّ عَلٰى نَفْيِ مَاعَدَاهُ بِالْاِتِّفَاقِ بِخِلَافِ النُّصُوْصِ فَإِنَّ فِيْهَا لَا يَدُلُّ عَلٰى نَفْيِ مَاعَدَاهُ عِنْدَنَا

(شرح عقود رسم المفتی: ص:82)

ترجمہ: اور فقہی روایات میں کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنا اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت کرتا ہے، اس پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے۔ البتہ نصوص شرعیہ کا معاملہ اس کے بر عکس ہے، کیوں کہ ہمارے نزدیک نصوص میں (کسی چیز کا خصوصیت کے ساتھ تذکرہ) اس کے ماسوا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا۔

عرف کی بحث:

اس مقام پہ پہلے دو باتیں سمجھ لیں:

پہلی بات:

فقہاءِ کرام رحمہم اللہ کے ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ کسی بھی حکم کا دارومدار اپنے وجود اور عدم کے لحاظ سے علت پر ہوتا ہے۔ علت موجود ہو تو حکم بھی موجود، علت ختم ہو تو حکم بھی ختم۔ پھر کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی حکم کی علت اس سے کبھی بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ

ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے اور اس علت کی وجہ سے وہ حکم بھی ہمیشہ ہمیشہ رہتا ہے، خواہ احوال اور زمانے کتنے بھی تبدیل کیوں نہ ہو جائیں۔

مثال: حرمتِ زنا، حرمتِ سرقہ (ہر حالت میں) حرمتِ شربِ خمر، حرمتِ اکلِ خنزیر (حالت اضطراری کے علاوہ)۔

کبھی یوں ہوتا ہے کہ اس حکم کی علت تغیّر و تبدّل کو قبول کرتی ہے اور بدلتے ماحول و زمانے کے ساتھ وہ بھی بدلتی رہتی ہے۔ اس صورت میں علت کے بدلنے سے حکم بھی بدل جائے گا۔ جیسے عرف، ضرورت اور حاجت۔ مثال کے طور پر مالی تنگ دستی یا جنسی تقاضے جتنے بھی کیوں نہ ہوں زنا اور چوری کی شرعاً اجازت نہ ہوگی۔ جنسی ضرورت کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نکاح ہے اور مالی ضرورت پورا کرنے کا راستہ جائز ذریعے سے مال کا حصول ہے۔ لہٰذا اگر کوئی بندہ کسی قسم کا عذر، مجبوری یا حیلہ تراش کے زنا یا چوری کرنے کی رخصت کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ شرعاً باطل سمجھا جائے گا۔

دوسری بات:

شرعی احکام کا مدار شرعی علت پر ہوتا ہے نہ کہ ان احکام کی حکمت پر۔ بعض لوگوں پر یہ معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ حکمت کو علت سمجھ لیتے ہیں۔ لہٰذا دونوں میں فرق سمجھنا ضروری ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ نے علت و حکمت کی تعریف یوں کی ہے۔

علت کی تعریف:

"اَلْعِلَّةُ وَصْفٌ يَّكُوْنُ عَلَامَةً لِّوُجُوْدِ الْحُكْمِ "

ترجمہ: علت ایک ایسا وصف ہے جو حکم کے وجود پر بطورِ علامت کے ہوتا ہے"

حکمت کی تعریف:

"اَلْحِكْمَةُ فَهِيَ الْفَائِدَةُ الَّتِيْ يُتَوَقَّعُ حُصُوْلُهَا مِنَ الْعَمَلِ بِالْحُكْمِ ۔

ترجمہ: حکمت وہ فائدہ ہے کہ حکم پر عمل کرنے کی صورت میں اس کے حاصل ہونے کی امید اور توقع کی جاتی ہو۔

علت اور حکمت میں فرق:

علت اور حکمت میں فرق کو ایک مثال سے سمجھیں۔

سڑکوں پر ٹریفک سگنل لگے ہوتے ہیں۔ سرخ، پیلی اور سبز بتی۔ اس میں یہ جو کہا گیا ہے: "سرخ بتی پر رک جاؤ" یہ حکم ہے۔ اور "سرخ بتی" اس حکم کی علت ہے۔ اور حادثات کی روک تھام، ٹریفک میں نظم وضبط کا قیام اور تصادم سے حفاظت، اس حکم کی "حکمت" ہے۔

اب اگر کوئی بندہ ایسے وقت سگنل پر پہنچا کہ آس پاس کوئی گاڑی نہیں، تصادم کا کوئی خطرہ نہیں مگر سرخ بتی جل رہی ہو تو اس پر گاڑی روکنا ضروری ہے۔ ورنہ قانون کی خلاف ورزی کے جرم میں پکڑا جائے گا۔

مثال 1: شراب پینے کی حرمت:

اس میں "شراب پینے کی حرمت" ایک حکم ہے، مشروب کا خمر (شراب) ہونا "علّت" ہے اور انسان کو ایسی حالت سے بچانا جو اس کی عقل کو زائل کر دے یہ "حکمت" ہے۔

مثال کی وضاحت: جہاں خمر (علت) پائی جائے گی وہاں حکم (حرمت) بھی ثابت ہو گا۔ لہٰذا اگر کوئی ایسا بندہ ہو کہ شرب خمر سے اس کی عقل ختم نہ ہوتی ہو تو اس کے حق میں بھی حرمت والا حکم باقی رہے گا۔

مثال 2: سفر کی حالت میں نماز میں قصر کرنا:

اس میں نماز میں قصر کی "علت" سفر ہے اور "حکمت" مشقت سے بچنا ہے۔ لہٰذا اگر سفر (علت) ہو تو قصر کا حکم بھی ہو گا خواہ مشقت نہ بھی ہو کما فی زماننا۔ لیکن مشقت (حکمت) ہو لیکن سفر (علت) نہ ہو تو قصر والا حکم نہ ہو گا۔ جیسے وطن اصلی یا موضع اقامت میں سخت مشقت پیش آجائے تو تب بھی مکمل نماز پڑھنا ضروری ہو گا۔

(اصول الافتاء وآدابہ: ص:241، تقریر ترمذی: ج:1، ص:51، میمن اسلامک پبلیشرز)

عرف وعادت

عرف کی تعریف:

اَلْعُرْفُ مَا اسْتَقَرَّ فِي النُّفُوْسِ مِنْ جِهَةِ الْعُقُوْلِ وَتَلَقَّتْهُ الطِّبَاعُ السَّلِيْمَةُ بِالْقُبُوْلِ

ترجمہ: عرف وہ قول یا عمل ہے جو عقل کی رو سے دلوں میں جم جائے اور اس کو سلیم فطرتیں اور سنجیدہ طبیعت کے افراد قبول کر لیں۔ (آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کہ بات دل کو لگتی ہو اور لوگ اس کو لیتے بھی ہوں۔ کبھی بات دل کو لگتی ہے لوگ نہیں لیتے، کبھی دل کو نہیں لگتی مگر لوگ لے لیتے ہیں۔)

عادت کی تعریف:

اَلْعَادَةُ هِيَ الْاَمْرُ الْمُتَكَرِّرُ مِنْ غَيْرِ عَلَاقَةٍ عَقْلِيَّةٍ

(شرح عقود رسم المفتی: ص:87)

ترجمہ: عادت وہ قول یا عمل ہے جو کسی عقلی ربط کے بغیر بار بار پیش آئے۔

وضاحت: بہت سارے مسائل کا دارومدار عرف اور عادت پر ہے۔ حتّٰی کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے مستقل ایک ضابطہ بیان کیا ہے:

"اَلْعَادَةُ مُحَكَّمَةٌ"

عادت حکم کی بنیاد بن سکتی ہے "یعنی عادت کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

اس ضابطہ کی بنیاد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (ت:32ھ) کا یہ اثر مبارک ہے۔

"مَا رَآهُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ وَمَا رَآهُ الْمُسْلِمُوْنَ قَبِيْحاً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ قَبِيْحٌ."

(مؤطا امام محمد واللفظ لہ: ص:135، باب قیام شہر رمضان۔ کتاب المسند للامام احمد بن حنبل: حدیث نمبر:3600)

ترجمہ: جس چیز کو اہل ایمان اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اچھی ہے اور جو چیز اہل ایمان کے ہاں قبیح ہو وہ عند اللہ بھی قبیح ہو گی۔

چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بہت سارے احکام کے تغیر و تبدل میں عرف کو اساس بنایا ہے کہ کبھی حکم کی علت عرف پر مبنی ہوتی ہے اس طور پر کہ جب عرف بدلتا ہے تو وہ حکم بھی بدل جاتا ہے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

مثال 1:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اکراہ ملجی صرف بادشاہ وقت سے متحقق ہو سکتا ہے غیر حکمران سے نہیں۔ آپ نے یہ موقف اپنے دور کے عرف کی بنیاد پر اختیار کیا۔ کیوں کہ وہ خیر وبرکت کا زمانہ تھا۔ پھر فتنہ وفساد کی کثرت کی وجہ سے عرف تبدیل ہو گیا اور غیر سلطان سے بھی اکراہ ملجی متحقق ہونے لگا تو امام محمد رحمہ اللہ نے عرف کے بدلنے سے یہ حکم بھی بدل دیا۔ لہٰذا اب غیر سلطان سے بھی اکراہ ملجی متحقق ہو سکتا ہے۔ اب متأخرین حضرات کا یہی مذہب ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔

امام علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"(وَ مِنْ ذَالِکَ) تَحَقّقَ الْاِکْرَاہُ مِنْ غَیْرِ السُّلْطَانِ مَعَ مُخَالَفَتِہٖ لِقَوْلِ الْاِمَامِ بِنَاءً عَلٰی مَا کَانَ فِیْ زَمَنِہٖ مِنْ اَنّ غَیْرَ السُّلْطَانِ لَایُمْکِنُہُ الْاِکْرَاہُ ثُمَّ کَثُرَ الْفَسَادُ فَصَارَ یَتَحَقّقُ الْاِکْرَاہُ مِنْ غَیْرِہٖ. فَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَہُ اللہُ بِاِعْتِبَارِہٖ وَاَفْتٰی بِہِ الْمُتَأَخِّرُوْنَ لِذَالِکَ۔"

(نشر العَرف فی بناء بعض الاحکام علی العُرف للامام ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ: ص:13)

ترجمہ: اور جن مسائل کی بنیاد عرف پر ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بادشاہ وقت کے علاوہ کسی اور سے اکراہ ممکن ہے، جب کہ یہ مسئلہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے مخالف ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کا قول اپنے زمانے کے عرف کی بنیاد پر تھا کہ اس دور میں (خیر و برکت کی وجہ سے) حاکم وقت کے علاوہ سے اکراہ ممکن نہ تھا۔ پھر بعد کے دور میں فتنہ وفساد کی کثرت کی وجہ سے بادشاہ وقت کے غیر سے بھی اکراہ کا تحقق ہونے لگا تو اس (عرف کی تبدیلی) بنیاد پر امام محمد رحمہ اللہ نے یہ قول اختیار فرمایا۔ متأخرین فقہاء کرام رحمہم اللہ نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو "مفتیٰ بہ" قرار دیا۔

فائدہ: اکراہ کا معنی ہے جبر، زبردستی تشدد۔

(القاموس الوحید: ص:1401)

ملجئ یہ اِلجاء سے ہے بمعنی مضطر کرنا، مجبور کرنا۔

(مصباح اللغات: ص:767)

اکراہ ملجئ: وہ ہے جس سے انسان کسی کام پر حد درجہ مجبور ہو جائے۔ مثلاً جان کی ہلاکت یا کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، اس کو اکراہِ تام بھی کہتے ہیں۔

اکراہ غیر ملجئ: اسے کہتے ہیں جس میں جان یا کسی عضو کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو البتہ معمولی مار پیٹ یا قید وغیرہ کی دھمکی ہو، اسے اکراہِ ناقص بھی کہتے ہیں۔

مثال 2:

احناف کا اصل مذہب یہ ہے کہ یتیم کے مال کے ساتھ عقدِ مضاربت کرنا وصی کے لیے جائز ہے۔ مگر متأخرین فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اب زمانہ خیر وبرکت والا نہ رہا، فتنہ وفساد بہت زیادہ ہے، لہٰذا اب وصی یتیم کے مال کو بطور مضاربت استعمال نہیں کر سکتا۔

امام علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) لکھتے ہیں۔

"وَقَوْلُهُمْ اَنَّ الْوَصِيَّ لَيْسَ لَهُ الْمُضَارَبَةُ بِمَالِ الْيَتِيْمِ فِيْ زَمَانِنَا"

(نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العُرف للامام ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ: ص:13)

ترجمہ: ہمارے زمانے میں وصی کے لیے یتیم کے مال میں عقدِ مضاربت کے عدم جواز کا فتویٰ بھی اسی عرف کی وجہ سے ہے۔

مثال 3:

اگر کوئی شادی شدہ بندہ کہے:

"کُلُّ حِلٍّ عَلَیَّ حَرَامٌ" (ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے)

تو فی زماننا بربنائے عرف اس کی بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یہ مشائخ بلخ کا فتویٰ ہے۔ البتہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ " بغیر نیت مذکورہ جملے سے طلاق نہ ہو گی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے اس قول کی وضاحت مشائخ بلخ رحمہم اللہ یوں کرتے ہیں کہ یہ ان کے علاقے کے عرف کی بناء پر تھا جب کہ ہمارے عرف میں لوگ مذکورہ جملے سے بیوی کو حرام کرنے کا ارادہ کرتے ہیں، لہٰذا اس سے طلاق ہی مراد ہو گی۔

مشائخ بلخ رحمہم اللہ کی یہ بات علامہ زین الدین قاسم بن قُطلوبغا رحمہ اللہ (ت:879 ھ) نے نقل فرمائی ہے اور آپ نے "مختارات النوازل" کے حوالے سے لکھا ہے:

"اِنَّ عَلَيْهِ الْفَتْوٰى لِغَلَبَةِ الْاِسْتِعْمَالِ بِالْعُرْفِ"

آج کل اسی پر فتویٰ ہے کیوں کہ عرف میں عام استعمال یہی ہے اور یہی حکم اَلطَّلَاقُ يَلْزَمُنِيْ (مجھ پر طلاق لازم ہو) اَلْحَرَامُ يَلْزَمُنِيْ (مجھ پر حرام لازم ہو) عَلَيَّ الطَّلَاقُ (مجھ پر طلاق ہو) عَلَيَّ الْحَرَامُ (مجھ پر حرام ہو) کا بھی ہے۔

امام علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

(وَكَذَا قَوْلُهُمْ) فِيْ قَوْلِهٖ كُلُّ حِلٍّ عَلَيَّ حَرَامٌ يَقَعُ بِهِ الطَّلَاقُ لِلْعُرْفِ. قَالَ مَشَائِخُ بَلْخَ ، وَقَالَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَايَقَعُ اِلَّا بِالنِّيَّةِ ، اَجَابَ بِهٖ عَلٰى عُرْفِ دِيَارِهِم ، اَمَّا عَلٰى عُرْفِ بِلَادِنَا فَيُرِيْدُوْنَ بِهٖ تَحْرِيْمَ الْمَنْكُوْحَةِ فَيُحْمَلُ عَلَيْهِ انْتَهٰى. قَالَ الْعَلَّامَةُ قَاسِمٌ: وَ مِنَ الْاَلْفَاظِ الْمُسْتَعْمَلَةِ فِيْ هٰذَا فِيْ مِصْرِنَا " اَلطَّلَاقُ يَلْزَمُنِيْ، وَالْحَرَامُ يَلْزَمُنِيْ، وَعَلَيَّ الطَّلَاقُ ، وَعَلَيَّ الْحَرَامُ۔

(نشر العَرف فی بناء بعض الاحکام علی العُرف: ص:13، شرح عقود رسم المفتی: ص:89)

ترجمہ: "ہر حلال چیز مجھ پر حرام ہے" کہنے والے کے بارے میں بلخ کے مشائخ رحمہم اللہ نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس جملہ سے نیت کے بغیر طلاق واقع نہ ہو گی۔ امام محمد رحمہ اللہ کے اس فتویٰ کا جواب مشائخ نے یہ دیا ہے کہ یہ ان کے علاقے کے عرف کی وجہ سے تھا، لیکن ہمارے علاقوں کے عرف میں یہ جملہ اپنی منکوحہ کو اپنے اوپر حرام کرنے کے ارادے سے بولتے ہیں، لہٰذا اب اس جملہ سے بغیر نیت کے طلاق مراد لی جائے گی۔

فائدہ: لفظ حرام سے طلاق بائن واقع ہو گی اس کی وجہ علامہ محمد امین بن عمر المعروف ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) یہ بیان کرتے ہیں:

لٰكِنْ لَمَّا غَلَبَ اِسْتِعْمَالُ حَلَالِ اللهِ فِي الْبَائِنِ عِنْدَ الْعَرَبِ وَالْفَرَسِ وَقَعَ بِهِ الْبَائِنُ ، لَوْلَا ذَالِكَ لَوَقَعَ بِهِ الرَّجْعِيُّ۔

(حاشیہ ابن عابدین: ج:4، ص:519، باب الکنایات دار المعرفۃ بیروت)

ترجمہ: لیکن جب اہل عرب اور اہل فارس کے عرف میں لفظ حلال کے ذریعے (طلاق کا) غالب استعمال طلاق بائن میں ہونے لگا تو اس سے طلاق بائن ہی واقع ہو گی، اگر یہ عرف نہ ہو تا تو اس سے طلاق رجعی ہی واقع ہوتی۔

مثال 4:

استصناع (آرڈر دے کر کوئی چیز بنوانا) اصلاً قواعد کے اعتبار سے جائز نہیں کیوں کہ یہ معدوم چیز کی بیع ہے مگر عرف کے تغیّر کی وجہ سے فی زمانہ جواز کا فتویٰ ہے۔

(وَمِنْ ذٰلِکَ) "اَلْاِسْتِصْنَاعُ"

ترجمہ: اور جو مسائل عرف کی بنیاد پر ہیں ان میں سے ایک مسئلہ استصناع کے جواز کا ہے۔

مثال 5:

وزن کیے بغیر گوندھا ہو آٹا اور روٹی قرض کے طور پر لینا بھی آج کل کے عرف کی وجہ سے جائز ہے۔

"اِسْتِقْرَاضُ الْعَجِیْنِ وَالْخُبْزِ بِلَا وَزْنٍ"

ترجمہ: وزن کیے بغیر گوندھے ہوئے آٹے اور روٹی کے قرض لینے کا جواز عرف کی وجہ سے ہے۔

(شرح عقود رسم المفتی: ص:89، تغیر الاحکام بتغیر العرف)

عرف کی اقسام

عرف کی دو قسمیں ہیں: (1) عرف عام (2) عرف خاص۔

عرف عام کی تعریف:

الدکتور وَھبۃ الزُّحیلی رحمہ اللہ (ت: 1436ھ) تحریر فرماتے ہیں:

هُوَ مَا يَتَعَارَفُهٗ غَالِبِيَّةُ اَهْلِ البُلْدَانِ فِيْ وَقْتٍ مِّنَ الْاَوْقَاتِ ،مِثْلَ تَعَارُفِهِمْ عَقْدُ الْاِسْتِصْنَاعِ وَاسْتِعْمَالُ لَفْظِ لْحَرَامِ بِمَعْنَى الطَّلَاقِ لِاِزَالَةِ عَقْدِ الزَّوَاجِ وَدَخُوْلُ الحَمَامِ مِنْ غَيْرِ تَقْدِيْرِ مُدَّةِ الْمَكْثِ۔

(اصول الفقہ الاسلامی: ج:2 ص:829)

ترجمہ: عرف عام وہ ہے جو شہروں کی غالب آبادی میں کسی بھی وقت متعارف ہو جیسے "عقد استصناع" کا جواز اور "عقد نکاح" کو ختم کرنے کے لیے لفظ حرام کو طلاق کے معنی میں استعمال کرنا اور حمام میں مدت اور وقت کی تعیین کیے بغیر ٹھہرنا لوگوں کے ہاں متعارف ہیں۔

عرف خاص کی تعریف:

هُوَ مَا يَتَعَارَفُهٗ اَهْلُ بَلَدَةٍ اَوْ اِقْلِيْمٍ اَوْ طَائِفَةٌ مُّعَيَّنَةٌ مِّنَ النَّاسِ كَاطْلَاقِ الدَّابَّةِ فِيْ عُرْفِ اَهْلِ الْعِرَاقِ عَلَى الْفَرَسِ وَجَعْلِ دَفَاتِرِ التُّجَّارِ حُجَّةً فِيْ اِثْبَاتِ الدُّيُوْنِ۔

(اصول الفقہ الاسلامی: ج:2 ص:830)

ترجمہ:

فرس پر کرنا اور تاجروں کے عرف میں قرض کے اثبات کے معاملے میں اسٹام پیپر کو حجت بنانا۔

عرف عام کا حکم:

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) لکھتے ہیں:

فَالْعَامُ يَثْبُتُ بِهِ االْحُكْمُ الْعَامُ وَيَصْلُحُ مُخَصِّصاً لِلْقِيَاسِ وَالْاَثَرِ......اَنَّ الْعُرْفَ الْعَامَّ لَا يُعْتَبَرُ اِذَا لَزِمَ مِنْهُ تَرْكُ الْمَنْصُوْصِ وَاِنَّمَا يُعْتَبَرُ اِذَا لَزِمَ مِنْهُ تَخْصِيْصُ النَّصِّ "۔

(شرح عقود رسم المفتی لابنِ عابدین الشامی:ص:94)

ترجمہ: "عرف عام سے عام حکم ثابت ہوتا ہے اور وہ حدیث اور قیاس کے لیے مُخصص بننے کی صلاحیت رکھتا ہے،(یعنی عرف عام کی وجہ سے حدیث اور قیاس کی تخصیص جائز ہے)..... عرف عام اس وقت معتبر نہیں ہوگا جب اس پر عمل کرنے سے کسی منصوص حکم کو چھوڑنا لازم آتا ہو، عرف عام صرف اس صورت میں معتبر ہوگا جب اس کا اعتبار کرنے سے نص کی تخصیص ہوتی ہو۔"

(حدیث کے لیے صرف وہی عرف عام مخصص بن سکتا ہے جو عہد رسالت سے جاری ہو، عرفِ حادث حدیث کے لیے مخصص نہیں بن سکتا اور عرف کا اعتبار صرف انہیں مسائل میں ہوگا جن کی بنیاد عرف پر ہوگی، لہٰذا جن مسائل کی بنیاد عرف پر نہ ہوگی ان میں عرف کا اعتبار نہیں ہوگا۔ از مرتّب)

عرف خاص کا حکم:

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) لکھتے ہیں:

"بِخِلَافِ الْخَاصِ فَاِنَّهٗ يَثْبُتُ بِهِ الْحُكْمُ الْخَاصُ مَا لَمْ يُخَالِفِ الْقِيَاسَ اَوِ الْاَثَرَ فَاِنَّهٗ لَا يُصْلِحُ مُخَصِّصاً"۔

(شرح عقود رسم المفتی لابنِ عابدین الشامی:ص:94)

ترجمہ: "عرف خاص کا معاملہ عرف عام سے مختلف ہے کیوں کہ اس سے خاص حکم ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عرفِ خاص کسی حدیث یا قیاس کے خلاف نہ ہو، کیوں کہ وہ حدیث یا قیاس کے لیے مخصص نہیں بن سکتا۔"

(البتہ کسی حدیث یا قیاس کی تخصیص کیے بغیر اس پر عمل ہو سکتا ہو تو کیا جائے گا، یعنی عرف خاص اس حد تک مؤثر اور حجت ہو سکتا ہے جب تک اس سے کسی حدیث یا قیاس کی تخصیص لازم نہ آئے۔ از مرتّب)

مثال: "سَرَّحْتُكِ" یہ لفظ اگر پہلے دور میں شوہر کہتا تھا تو کنائی طلاق کا حکم لگتا تھا کیوں کہ "سَرَّحْتُكِ" کنایہ ہے اور کنایہ میں طلاق کی نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی۔ مگر اب عرف تبدیل ہو چکا ہے، اب لوگ یہ لفظ طلاق کے طور پر استعمال کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا اب اگر کسی نے یہ لفظ اپنی بیوی کو کہا تو بغیر نیت کے بھی طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) لکھتے ہیں:

فَاِنَّ سَرَّحْتُکِ كِنَايَةٌ لٰكِنَّهٗ فِيْ عُرْفِ الْفَرَسِ غَلَبَ اِسْتِعْمَالُهٗ فِي الصَّرِيْحِ فَاِذَا قَالَ "رھا کردم" اَیْ سَرَّحْتُكِ يَقَعُ بِهِ الرَّجْعِيُّ مَعَ اَنَّ اَصْلَهٗ كِنَايَةٌ اَيْضًا وَمَاذَاکَ اِلَّا لِاَنَّهٗ غَلَبَ فِيْ عُرْفِ النَّاسِ اِسْتِعْمَالُهٗ فِي الطَّلَاقِ وَقَدْ مَرَّ اَنَّ الصَّرِيْحَ مَا لَمْ يُسْتَعْمَلْ اِلَّا فِي الطَّلَاقِ مِنْ اَيِّ لُغَةٍ كَانَتْ

(حاشیہ ابن عابدین:ج:4،ص:519،دار المعرفت بیروت)

ترجمہ: بلاشبہ لفظ "سرحتک" کنایہ ہے لیکن اہل فارس کے عرف میں اس کا زیادہ تر استعمال صریح میں ہوتا ہے۔ پس جب خاوند کہے "رہا

کردم "یعنی سر حتک (میں نے تجھے آزاد کر دیا) تو اس سے طلاق رجعی واقع ہو گی اس کے باوجود کہ اصل وضع میں یہ لفظ کنائی ہے اور لفظ آزاد سے صریح طلاق والا معنی مراد لینے کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں کے عرف میں اس کا زیادہ تر استعمال صریح طلاق کے لیے ہوتا ہے اور یہ بات گزر چکی ہے کہ لفظ صریح جس زبان میں بھی بولا جائے اس سے مراد طلاق ہی ہوتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت:1362ھ) نے بھی لفظ آزاد سے طلاق صریح مراد لی ہے۔

(امداد الفتاویٰ: ج:2, ص:429, مکتبہ دار العلوم کراچی)

ضرورت وحاجت:

بعض احکام کے تغیر و تبدّل کا سبب؛ ضرورت اور حاجت ہے۔ یہ سبب یعنی ضرورت و حاجت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1: "فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ (البقرہ:173 پ:3)

ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جب کہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

2: "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ:286 پ:3)

ترجمہ: اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔

3: "فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ (المائدہ:03، پ:6)

ترجمہ: ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے) بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو۔

4: " وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (الحج:78: پ:17)

ترجمہ: اور تم پر دین کے معاملے میں تنگی نہیں رکھی۔

ضرورت کی تعریف :

امام ابو بکر احمد الرازی الجصاص (ت:370ھ) لکھتے ہیں:

وَالضَّرُوْرَةُ هِيَ خَوْفُ الضَّرَرِ بِتَرْكِ الْاَكْلِ اِمَّا عَلٰى نَفْسِهٖ اَوْ عَلٰى عُضْوٍ مِّنْ اَعْضَائِهٖ

(تفسیر احکام القرآن ج:1 ص:182 تحت سورۃ البقرہ: آیت نمبر:173)

ترجمہ: ضرورت کا معنی یہ ہے کہ حرام نہ کھانے کی صورت میں جان یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کا خوف ہو (یعنی جان یا کسی عضو کے تلف ہو جانے کے خوف سے کسی ممنوع کام کا ارتکاب کرنا)

فائدہ: ضرورت کے تحقق کے لیے درج ذیل امور ضروری ہیں:

1: اَنْ يَّكُوْنَ هُنَاكَ خَوْفٌ عَلَى النَّفْسِ اَوِ الْعُضْوِ

ضرورت اس وقت متحقق ہو گی جب جان یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خوف ہو۔

2: اَنْ تَكُوْنَ الضَّرُوْرَةُ قَائِمَةً لَا مُنْتَظَرَةً ، بِمَعْنٰى اَنْ يَّقَعَ خَوْفُ الْهَلَاكِ اَوِ التَّلَفِ بِغَلَبَةِ الظَّنِّ حَسَبَ التَّجَارُبِ لَا

مُجَرَّدُ وَہْمٍ بِذٰلِکَ

وہ ضرورت حقیقی وواقعی ہو، تخمینی ووہمی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ تجربہ سے ثابت ہو اور اس بات کا ظن غالب ہو کہ اگر امر ممنوع کا ارتکاب نہ کیا گیا تو جان جائے گی یا عضو جائے گا۔

3: اَنْ لَّا یَکُوْنَ لِدَفْعِ الضَّرَرِ وَسِیْلَۃٌ اُخْرٰی مِنَ الْمُبَاحَاتِ وَیَغْلِبُ عَلٰی ظَنِّ الْمُبْتَلٰی بِہٖ اَنَّ دَفْعَ الضَّرَرِ مُتَوَقِّعٌ بِارْتِکَابِ بَعْضِ الْمُحَرَّمَاتِ

اس ضرر کا ازالہ کسی مباح کام سے ممکن نہ ہو بلکہ مبتلیٰ بہ کا ظن غالب یہ ہو کہ دفع ضرر صرف کسی امر حرام کے ارتکاب سے متوقع ہو گا۔

4: اَنْ لَّا یَکُوْنَ الْمَحْظُوْرُ مِمَّا یُوْجِبُ مِثْلَ ذٰلِکَ الضَّرَرِ عَلٰی غَیْرِہٖ ، فَلَا یَجُوْزُ قَتْلُ اَحَدٍ ،وَلَوْ فِیْ حَالَۃِ الْاِکْرَاہِ مُلْجِیٍٔ

جس ضرر کے ازالے کے لیے وہ ممنوع کام کیا جارہا ہے اس کام سے کسی اور کو اس طرح کا ضرر لاحق نہ ہو تا ہو لہٰذا اکراہ ملجی کی صورت میں بھی قتل مسلم جائز نہ ہو گا۔

حکم:

وَعِنْدَ تَحَقُّقِ مِثْلِ ھٰذِہِ الضَّرُوْرَۃِ یُرَخَّصُ لِلْمُبْتَلٰی بِہٖ فِیْ ارْتِکَابِ مُحَرَّمَاتٍ مَنْصُوْصَۃٍ بِقَدْرِ دَفْعِ الضَّرُوْرَۃِ کَالْجَائِعِ الْمُضْطَرِّ الَّذِیْ یَخَافُ عَلٰی نَفْسِہِ الْھَلَاکَ ،یُبَاحُ لَہٗ اَکْلُ الْمَیْتَۃِ اَوِالْخِنْزِیْرِ بِقَدْرِ مَایَدْفَعُ عَنْہُ الْھَلَاکَ

(اصول الافتاء وآدابہ للشیخ المفتی محمد تقی العثمانی:ص269)

جب مذکورہ شرائط پائی جائیں تو مبتلیٰ بہ کو شرعی طور پر اس بات کی رخصت ہو گی کہ وہ بقدرِ ضرورت (کہ جس سے ضرر زائل ہو جائے) اس ممنوع کام کا ارتکاب کرلے۔ مثلاً اگر اس قدر بھوکا ہو کہ حرام نہ کھانے کی صورت میں جان جانے کا اندیشہ ہو تو بقدر ضرورت حرام کھالے، یعنی اتنا کھائے کہ جس سے جان بچ جائے۔

رخصت کی تعریف:

علامہ علی بن محمد بن علی السّید الشریف الجرجانی رحمہ اللہ (ت:816ھ) تحریر کرتے ہیں:

"الرُّخْصَۃُ : فِی اللُّغَۃِ ، اَلْیُسْرُ وَالسُّھُوْلَۃُ، وَفِی الشَّرِیْعَۃِ : اِسْمٌ لِّمَا شُرِعَ مُتَعَلِّقاً بِالْعَوَارِضِ ، أَیْ مَا اسْتُبِیْحَ بِعُذْرٍ مَعَ قِیَامِ الدَّلِیْلِ الْمُحَرِّمِ"

(کتاب التعریفات:ص:80)

ترجمہ: رخصت کا لغت میں معنی ہے "آسانی اور سہولت"۔ شریعت کی اصلاح میں رخصت ہر ایسی چیز کا نام ہے جسے عوارض کی وجہ سے مشروع قرار دیا گیا ہو، یعنی ایسی چیز جسے کسی عذر کی وجہ سے مباح قرار دیا گیا ہو جب کہ اس کی حرمت پر دلیل موجود ہو۔

رخصت کی اقسام:

رخصت کی تین قسمیں ہیں:

1: رخصت کی ایک قسم مباح ہے، مثلاً سخت بھوک اور پیاس کی حالت میں خنزیر کا گوشت کھانا یا شراب وغیرہ پینا۔ یہ چیزیں اضطرار کے وقت مباح ہو جائیں گی۔ اس کی دلیل یہ آیت کریمہ "إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَیْہِ" (الانعام: 119) ہے۔ یہاں تحریم سے

استثناء؛ اباحت پر محمول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے حالت اضطرار یاحالت اکراہ میں اس کام کا ارتکاب نہ کیا اور مر گیا تو گناہ گار ہو گا۔ کیوں کہ اس نے اللہ کی طرف سے دی گئی رخصت کو استعمال نہ کر کے خود کو جان بوجھ کر ہلاکت میں ڈالا ہے۔ ہاں اگر جان یا عضو کے تلف ہونے کا خوف نہ ہو مثلاً ضرب یا حبس کا خوف ہو تو پھر یہ کام کرنا جائز نہیں۔

2: رخصت کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی بھی حال میں اس حرام کی حرمت ختم نہ ہو گی۔ البتہ اس اضطراری حالت میں اس کام کے کرنے کی رخصت ہو گی۔ جیسے، کسی مسلمان کے مال کو تلف کرنا، کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا یا کوئی کلمہ کفر زبان پر لانا بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن ہو۔ اکراہ تام کی صورت میں ان امور کو کرنے کی رخصت ہے، اس کے باوجود یہ کام اسی طرح حرام ہی رہیں گے یعنی اس صورت میں حرام کام کرنے کا گناہ نہ ہو گا۔ اگر عام حالت میں یہ کام کیا جاتا تو گناہ ہوتا۔

فائدہ: اکراہ تام میں ان امور سے بچنا افضل ہے۔ اگر اسی حالت میں مرا تو عند اللہ ماجور ہو گا۔

3: رخصت کی تیسری قسم یہ ہے کہ کسی بھی حالت میں اس کی اجازت نہیں، نہ تو وہ کام مباح ہو گا اور نہ ہی اس کی رخصت ہو گی، خواہ اکراہ تام ہی کیوں نہ ہو۔ جیسے، کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا، کسی مسلمان کا کوئی عضو ناحق تلف کرنا، زنا کرنا یا والدین کو مارنا۔

فائدہ: درج بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" (ضرورت ایک ممنوع کام کو مباح کر دیتی ہے) والا قاعدہ اس آخری قسم کو شامل نہیں۔ کیوں کہ یہ قسم کسی حال میں بھی مباح نہیں ہوتی، بلکہ یہ قاعدہ پہلی اور دوسری قسم کو شامل ہے۔ پہلی قسم میں اس طرح کہ وہاں اباحت کا ثبوت ہوتا ہے اور دوسری قسم میں اس طرح کہ وہاں اگرچہ فعل حرام ہی رہتا ہے مگر اس کے باوجود رخصت ہوتی ہے اور گناہ اٹھالیا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیں جیسے ڈاکٹر کے لیے مریض کے مخصوص مقامات کو چیک کرنا، اب اعضاء مستورہ کا دیکھنا دکھانا ہر حال میں حرام ہی رہتا ہے مگر اضطرار کی حالت میں رخصت مل جاتی ہے کہ گناہ اٹھالیا جاتا ہے۔

مولانا علاّمہ خالد الآفندی الاَتاسیّ رحمہ اللہ (ت:1326) رخصت کی اقسام سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

ثُمَّ هٰذِهِ الرُّخْصَةُ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ: نَوْعٌ هُوَ مُبَاحٌ كَاَكْلِ الْمَيْتَةِ ، وَالدَّمِ ،وَلَحْمِ الْخِنْزِيْرِ ، وَ شُرْبِ الْخَمْرِ عِنْدَ الْمَجَاعَةِ اَوِ الْغُصَّةِ اَوِ الْعَطِشِ اَوْ عِنْدَ اِكْرَاهِ التَّامِّ بِقَتْلٍ اَوْ قَطْعِ عُضْوٍ . فَهٰذِهِ الْاَشْيَاءُ تُبَاحُ عِنْدَ الْاِضْطِرَارِ لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى"اِلاَّ مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ" اَیْ دَعَتْكُمْ شِدَّةُ الْمَجَاعَةِ اِلٰى اَكْلِهَا. وَالْاِسْتِثْنَاءُ مِنَ التَّحْرِيْمِ اِبَاحَةٌ(بَدَائِع) وَكَمَا يَتَحَقَّقُ الْاِضْطِرَارُ بِالْمَجَاعَةِ يَتَحَقَّقُ بِالْاِكْرَاهِ. فَيُبَاحُ التَّنَاوُلُ. وَلَايُبَاحُ الْاِمْتِنَاعُ. حَتّٰى لَوِ امْتَنَعَ حَتّٰى مَاتَ اَوْ قُتِلَ يُؤَاخَذُ. لِاَنَّهٗ بِالْاِمْتِنَاعِ صَارَ مُلْقِياً نَفْسَهٗ بِالتَّهْلُكَةِ. وَقَدْ نُهِيَ عَنْ ذَالِكَ۔ وَاِنْ كَانَ الْاِكْرَاهُ نَاقِصاً كَحَبْسٍ اَوْ ضَرْبٍ لَايُخَافُ مِنْهُ التَّلَفُ. لَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّفْعَلَ۔

وَنَوْعٌ لَاتَسْقُطُ حُرْمَتُهٗ بِحَالٍ. وَلٰكِنْ يُّرَخَّصُ فِيْهِ: كَاِتْلَافِ مَالِ الْمُسْلِمِ ، وَالْقَذْفِ فِيْ عِرْضِهٖ. وَاِجْرَاءُ كَلِمَةِ الْكُفْرِ عَلٰى لِسَانِهٖ مَعَ اطْمِيْنَانِ الْقَلْبِ بِالْاِيْمَانِ. اِذَا كَانَ الْاِكْرَاهُ تَامًّا. فَهُوَ فِيْ نَفْسِهٖ مُحَرَّمٌ مَعَ ثُبُوْتِ الرُّخْصَةِ. فَاَثَرُ الرُّخْصَةِ فِيْ تَغْيِيْرِ حُكْمِ الْفِعْلِ. وَهُوَ الْمُؤَاخَذَةُ .لَا فِيْ تَغْيِيْرِ وَصْفِهٖ. وَهُوَ الْحُرْمَةُ. وَالْاِمْتِنَاعُ عَنْهُ اَفْضَلُ حَتّٰى لَوِ امْتَنَعَ فَقُتِلَ كَانَ مَاجُوْرًا۔

وَنَوْعٌ لَايُبَاحُ وَلَا يُرَخَّصُ اَصْلاً. لَا بِالْاِكْرَاهِ التَّامِّ وَلَا بِخِلَافِهٖ كَقَتْلِ الْمُسْلِمِ ، اَوْ قَطْعِ عُضْوٍ مِّنْهُ بِغَيْرِ حَقٍّ ، وَالزِّنَا ، وَضَرْبِ الْوَالِدَيْنِ۔

اِذَا عَرَفْتَ هٰذَا فَهٰذِهِ الْقَاعِدَةُ (يَعْنِيْ "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ) لَا تَتَنَاوَلُ النَّوْعَ الْاَخِيْرَ. لِاَنَّهٗ لَا يُبَاحُ

بِحَالٍ مِنَ الْاَحْوَالِ, بَلْ تَتَنَاوَلُ النَّوْعَ الْاَوَّلَ مَعَ ثُبُوْتِ اِبَاحَتِهٖ, وَالثَّانِيْ مَعَ بَقَائِهٖ عَلَى الْحُرْمَةِ, وَالتَّرْخِيْصُ اِنَّمَا فِيْ رَفْعِ الْاِثْمِ, كَنَظْرِ الطَّبِيْبِ اِلٰى مَا لَا يَجُوْزُ انْكِشَافُهٗ شَرْعاً مِنْ مَّرِيْضٍ اَوْ جَرِيْحٍ, فَاِنَّهٗ تَرْخِيْصٌ فِيْ رَفْعِ الْاِثْمِ لَا الْحُرْمَةُ, وَ كَالْاِضْطِرَارِ لِاَكْلِ مَالِ الْغَيْرِ عِنْدَ الْمَخْمَصَةِ, فَاَنَّهٗ لَا يَسْقُطُ حُرْمَةُ مَالِ الْغَيْرِ .... بَلْ يَسْقُطُ عَنْهُ الْاِثْمُ, وَيَجِبُ عَلَيْهِ ضَمَانُهٗ اَوِ الْاِسْتِحْلَالُ مِنْ صَاحِبِهٖ۔

(شرح مجلّۃ الاحکام العدلیہ للعلامہ الأتاسی رحمہ اللہ: رقم المادۃ:21، ص:55،56)

ترجمہ: پھر اس رخصت کی تین قسمیں ہیں۔

رخصت کی پہلی قسم مباح ہے اور وہ یہ ہے کہ انتہائی بھوک یا حلق میں کسی چیز کے پھنس جانے یا شدید پیاس کے وقت یا اکراہ تام جو قتل یا کسی عضو کو کاٹنے کی صورت میں ہو ان میں سے کسی صورت میں مردار کھانا، خون، خنزیر کے گوشت کا استعمال اور شراب کا پینا مباح ہو جاتا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: "الاَّ مَا اضۡطررتم الیه" مگر یہ کہ تم اس (حرام) کی طرف بالکل مجبور ہو جاؤ، یعنی سخت بھوک تمہیں حرام کھانے پر مجبور کر دے۔ اس میں حرمت سے استثناء کا مطلب مباح قرار دینا ہے (بدائع الصنائع) اور اضطرار جیسے بھوک سے متحقق ہوتا ہے ویسے ہی اکراہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے لہٰذا ایسی صورت حال میں ان حرام چیزوں کا استعمال مباح ہو جائے گا ان سے اجتناب جائز نہ ہو گا۔ لہٰذا اگر مضطرّ آدمی حرام سے پرہیز کرتے ہوئے مر گیا یا اسے اس وجہ سے قتل کر دیا گیا تو عند اللہ اس کا مؤاخذہ ہو گا، کیوں کہ اس اضطرار والی حالت میں حرام سے اجتناب کر کے وہ خود اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈالنے والا بن گیا ہے، جب کہ شریعت میں اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ ہاں اگر اکراہ ناقص ہو، یعنی قید یا اتنی معمولی مار پیٹ کہ جس سے کسی عضو کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو اس صورت میں ان حرام کاموں سے کسی کا ارتکاب جائز نہ ہو گا۔

رخصت کی دوسری قسم ان حرام امور کی ہے جن کی حرمت کسی بھی حالت میں ختم نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود اس حرام کام کی رخصت دی جاتی ہے، جیسے اکراہِ تام کی صورت میں کسی مسلمان کے مال کو تلف کرنا، کسی کی عزت و ناموس پر تہمت لگانا یا ایمان پر قلبی اطمینان کے ہوتے ہوئے محض زبان سے کوئی کفریہ کلمہ کہہ دینا، یہ سب امور اکراہ تام میں بھی حرام ہی رہیں گے البتہ اس حالت میں رخصت ثابت ہو گی جس کا یہ اثر ظاہر ہو گا کہ اس فعل حرام کے ارتکاب کی وجہ سے عند اللہ مؤاخذہ نہ ہو گا۔ ہاں البتہ حالت اضطرار میں بھی فعل حرام سے بچنا افضل ہے۔ لہٰذا مضطر انسان حرام سے بچنے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا تو عند اللہ اجر کا مستحق ہو گا۔

رخصت کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ اکراہ تام یا غیر تام کسی حالت میں نہ تو مباح ہوتی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی رخصت ملتی ہے۔ جیسے ناحق کسی مسلمان کو قتل کرنا یا اس کا کوئی عضو تلف کر دینا، یا زنا کرنا اور والدین کو مارنا۔

جب آپ یہ تفصیل جان چکے ہیں تو "اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ" والا قاعدہ اس آخری قسم کو شامل نہیں ہو گا، کیوں کہ رخصت کی یہ قسم کسی بھی حالت میں مباح نہیں ہوتی۔ مذکورہ قاعدہ رخصت کی پہلی اور دوسری قسم کو شامل ہے، پہلی صورت میں اس طرح کہ فعل حرام کی حرمت ختم ہو جاتی ہے (یعنی وہ کام مباح ہو جاتا ہے) اور دوسری صورت میں ایسے کہ فعل تو حرام ہی رہتا ہے مگر رخصت کی وجہ سے اس کے ارتکاب کا گناہ نہیں ملتا، جیسے حکیم یا ڈاکٹر کا کسی مریض یا زخمی کے ان اعضاء کو دیکھنا جن کا دیکھنا شرعاً ممنوع ہے، اس صورت میں رخصت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ نہیں ہو گا، یہ مطلب نہیں کہ اس کام کی حرمت ختم ہو جائے گی۔ اسی طرح مضطر انسان کا سخت بھوک کی حالت میں کسی کے مال کو بغیر اجازت کھا لینا، اس میں بھی غیر کے مال کی حرمت ختم نہ ہو گی بلکہ اضطرار کی وجہ سے

صرف گناہ نہیں ہو گا، لہٰذا بغیر اجازت مال کھانے والے پر واجب ہو گا کہ وہ اس مال کے مالک کو ضمان ادا کرے یا اس سے معاف کروا لے۔

حاجت کی تعریف:

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

"اَمَّا الْحَاجةُ، فَهِيَ الدَّاعِيَةُ الَّتِي يَترتّبُ عَلى عَدمِ الاِستِجَابَةِ لَهَا ضِيقٌ و حَرجٌ و عُسرٌ و صُعُوبَةٌ، وإن لَّم يَكُن ذَالِكَ الحَرجُ يُؤَدِّي اِلى تَلفِ النَّفسِ اَوِ المَالِ"۔

ترجمہ: حاجت ایک ایسی طبعی کیفیت (ایک ایسا طبعی تقاضا) ہے جس کے پورا نہ ہونے کی صورت میں کسی تنگی، حرج، پریشانی یا مشکل میں مبتلا ہونے کا خوف ہو۔ خواہ وہ ضرر ایسا نہ ہو کہ اس سے جان یا عضو کا تلف ہونا لازم آئے۔

حاجت کی اقسام:

حاجت کی دو قسمیں ہیں:

1: حاجت عامہ:

اَمَّا الحَاجَةُ العَامَةُ: فَمَا يَحتَاجُ اِلَيهَا النَّاسُ جَمِيعاً، اَو اَكثَرُهُم۔

ترجمہ: ایسی حاجت کہ تمام یا اکثر لوگ اس کے محتاج ہوں۔

2: حاجت خاصہ:

وَالحَاجَةُ الخَاصَّةُ: مَا يَحتَاجُ اِلَيهَا فِئَةٌ مِّنَ النَّاسِ، كَأَهلِ مَدِينَة مُّعَيَّنَة، اَو اَربَابِ حِرفَة مُّعَيَّنَة، اَو يَحتَاجُ اِلَيهَا فَردٌ اَو اَفرادٌ مَّحصُورُونَ۔

ترجمہ:

- ایسی حاجت کہ لوگوں کا ایک گروہ اس کا محتاج ہو، جیسے کسی مخصوص شہر کے لوگ۔
- یا کسی مخصوص و معیّن پیشے سے وابستہ لوگ اس میں مبتلا ہوں، (جیسے حجام، ترکھان، موچی)۔
- یا کوئی محصور فرد یا افراد اس میں مبتلا ہوں۔

(اصول الافتاء و آدابہ..... مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم: ص:270)

حکم: بعض احکام شرعیہ میں یہ حاجت معتبر ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے احکام میں تغیر و تبدل دو حالتوں میں ہوتا ہے۔

پہلی حالت: خود نصوص یعنی قرآن و سنت اس حاجت کے معتبر ہونے کی صراحت کرے جیسے بیع سَلَم کا جواز کہ اصل کے اعتبار سے بیع سَلَم جائز نہیں کیوں کہ اس میں مبیع معدوم ہے۔ مگر جائز اس وجہ سے ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کی حاجت کو دفع کرنا مقصود ہے۔ یعنی لوگوں کی حاجت کی وجہ سے یہ بیع مشروع کی گئی ہے اور اس کی اباحت خود قران کریم نے بیان کی ہے۔

1: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ"

(سورۃ البقرہ:282)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لئے ادھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔

اس آیت کے ذیل میں سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"نَزَلَتْ فِي السَّلَمِ فِي الْحِنْطَةِ فِيْ كَيْلٍ مَّعْلُوْمٍ اِلٰى اَجَلٍ مَّعْلُوْمٍ۔"

(الدرّ المنثور فی التفسیر الماثور للامام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی رحمہ اللہ، ت: 911ھ، ج1 ص654، دار الکتب العلمیۃ)

ترجمہ: یہ آیت معلوم مدت کے لیے گندم کی متعین مقدار میں عقد سلم کے جواز میں نازل ہوئی۔

:2 اسی طرح میدان جنگ میں مردوں کے لیے ریشم کا لباس پہننے کا جواز بھی خود نص میں ہے، اس کی صراحت حدیث پاک میں آئی ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (ت: 91ھ) فرماتے ہیں:

اِنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرَ بْنَ الْعَوَّامِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا شَكَوْا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْقَمْلَ ، فَرَخَّصَ لَهُمَا فِيْ قُمُصِ الْحَرِيْرِ فِيْ غَزَاةٍ لَّهُمَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لِحِكَّةٍ كَانَتْ بِهِمَا

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشَیری، ت: 261ھ: حدیث نمبر: 5431، 5433، کتاب اللباس والزینۃ، ص: 930)

ترجمہ: سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ((ت: 31 یا 32ھ) اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ (ت: 36ھ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوؤں کی (اور ایک روایت میں خارش ہونے کی) شکایت کی تو آپ نے ان دونوں کے لیے جہاد میں ریشمی لباس پہننے کی اجازت عطا فرمادی۔

دوسری حالت:

اصل حکم محتمل ہو، اس کی تصریح قرآن وسنت میں نہ آئی ہو یا یہ کہ حکم مجتہد فیہ ہو تو اس صورت میں بھی حاجت کے موقع پر اباحت اور جواز کو ترجیح دی جائے گی جیسے عورت کے چہرے کا کھلا رکھنا کہ یہ عمل اپنی اصل کے لحاظ سے ناجائز ہے، لیکن اصل حکم ایسی نصوص پر مبنی ہے جو صریح نہیں بلکہ محتمل ہیں، یعنی ان میں دیگر مطالب کا احتمال بھی موجود ہے، انہیں نصوص کے صریح نہ ہونے کی وجہ سے یہ مسئلہ مجتہد فیہ بن گیا۔ اسی وجہ سے بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ نے موضع حاجت میں اس کی اجازت دی ہے کہ ضرورت کے وقت عورت اپنا چہرہ کھول سکتی ہے جیسے حج کے ازدحام میں عورت کے ساتھ کوئی محرَم نہ ہو جو اسے رش سے بحفاظت لے کر چلتا رہے تو اس مجبوری میں وہ خود راستہ دیکھنے کے لیے چہرہ کھول سکتی ہے۔ اسی طرح گواہی دیتے وقت عورت کے لئے گنجائش ہے کہ وہ اپنا چہرہ کھول لے۔

ملحوظہ: یہ حاجت ان مسائل میں تھی جو غیر منصوص تھے۔ البتہ ایسے مسائلِ منصوصہ جو قطعی ہوں اور ان میں اجتہاد کا گزر نہ ہو تو ان میں حاجت موثر نہ ہوگی۔ البتہ بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اگر حاجت اس مقام میں ضرورت کے مرتبہ کو پہنچ جائے تو پھر موثر ہوگی، لیکن حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ نے اس پر جرح فرمائی ہے اور وضاحت کی ہے کہ اگر بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اس قول پر عمل کیا جائے تو کئی خرابیاں لازم آئیں گی جن میں سے ایک یہ ہے کہ ضرورت وحاجت میں کوئی فرق نہ رہے گا جب کہ ان دونوں میں فرق فقہاء کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلَّم ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

وقد ذكر بعضُ الفُقَهاءِ "اَنَّ الحاجَةَ تُنَزَّلُ مَنزِلَةَ الضَّرورَةِ ، عامّةً كانتْ او خَاصّةً"۔ وظاهرُ لَفْظِ هٰذِهِ القاعِدَةِ عَامٌّ جِدّاً ، حَتّٰى اَنَّه اِشْتَبَهَ عَلٰى بعضِ النَّاسِ اَنَّ الحاجَةَ مُؤَثِّرَةٌ فِي تَحْلِيْلِ بعضِ المُحَرَّمَاتِ القَطْعِيَّةِ، مثلَ اَكْلِ الْمَيْتَةِ

وَالخِنْزِيْرِ فِي حَالَةِ الِاضْطِرَارِ .... وَالَّذِي يَبْدُوْ لِهٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ عَفَا اللّٰهُ عَنْه اَنَّ هٰذِهِ القَاعِدَةَ فِيْهَا نَظْرٌ مِنْ وُجُوْهٍ: اَلْاَوَّلُ: اَنَّنَا لَوْ اَخَذْنَا الْقَاعِدَةَ بِظَاهِرِهَا لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ فَرْقٌ بَيْنَ الضَّرُوْرَةِ وَالْحَاجَةِ، مَعَ اَنَّه خِلَافُ مَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ الْجَمِيْعُ ....

(اصول الافتاء وآدابہ مفتی محمد تقی عثمانی: ص:272،273)

ترجمہ: بعض فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ قاعدہ ذکر فرمایا ہے کہ: حاجت عام ہو یا خاص، اس کو ضرورت کے درجہ میں رکھا جائے گا (اور اس بنیاد پر حاجت کی وجہ سے شرعی احکام جاری ہوں گے)۔ اس قاعدہ کے ظاہری الفاظ چونکہ بہت عام ہیں اس وجہ سے بعض لوگوں کو یہ اشتباہ ہو گیا کہ حاجت ان حرام چیزوں کو حلال کرنے میں بھی مؤثر ہوتی ہے جن کی حرمت دلیلِ قطعی سے ثابت ہو، جیسے حالتِ اضطرار میں مردار یا خنزیر کا گوشت کھانا۔ اس بندۂ ضعیف عفا اللہ عنہ کے نزدیک یہ قاعدہ کئی اعتبار سے قابلِ اشکال ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اس قاعدہ کے ظاہری الفاظ کو لے لیں تو اس صورت میں ضرورت اور حاجت میں کوئی فرق نہیں رہے گا جب کہ ان دونوں کے درمیان فرق ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

افتاء اور مفتی کے شرائط و آداب:

(1) امام ابی بکر احمد بن علی المعروف الخطیب البغدادی رحمہ اللہ (ت: 463ھ) فرماتے ہیں:

"يَنْبَغِيْ لِإِمَامِ الْمُسْلِمِيْنَ أَنْ يَّتَصَفَّحَ أَحْوَالَ الْمُفْتِيْنِ , فَمَنْ كَانَ يَصْلَحُ لِلْفَتْوٰى أَقَرَّهٗ عَلَيْهَا , وَمَنْ لَّمْ يَكُنْ مِّنْ أَهْلِهَا مَنَعَهٗ مِنْهَا , وَتَقَدَّمَ إِلَيْهِ بِأَنْ لَّا يَتَعَرَّضَ لَهَا وَأَوْعَدَهٗ بِالْعَقُوْبَةِ , إِنْ لَّمْ يَنْتَهِ عَنْهَا"

(الفقیہ والتفقہ: للخطیب البغدادی: حدیث نمبر: 1035)

ترجمہ: حاکمِ وقت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے وقت کے مفتیان کرام کے احوال پر نظر رکھے جو منصب افتاء کے لائق ہو اسے برقرار رکھے اور جو اہل نہ ہو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دے اور حاکمِ وقت مفتی کو حکم دے کہ وہ امورِ افتاء میں غفلت نہ برتے، اگر (کوئی) مفتی غفلت اور لاپرواہی سے باز نہ آئے تو وہ اسے مناسب سزا دے۔

فائدہ: یہ کیسے پتہ چلے گا کہ یہ مفتی فتویٰ دینے کا اہل ہے یا نہیں؟ اس کا حل یہ ہے کہ اس دور کے علماء کرام جس مفتی کی قابلیت اور اہلیت کی تصدیق کر دیں وہ فتویٰ دے سکتا ہے، جس کی اہلیت کا فیصلہ نہ کریں وہ فتویٰ نہ دے۔

امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت: 179ھ) فرماتے ہیں:

"مَا أَفْتَيْتُ حَتّٰى شَهِدَ لِيْ سَبْعُوْنَ أَنِّيْ أَهْلٌ لِّذٰلِكَ"

(الفقیہ والتفقہ: للخطیب البغدادی: حدیث نمبر: 1037)

ترجمہ: جب تک ستر علماء کرام نے میری اہلیت کا فیصلہ نہیں کر دیا اس وقت تک میں نے فتویٰ نویسی شروع نہیں کی۔

(2) امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت: 676ھ) نے مفتی کی یہ شرائط بیان کی ہیں:

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت 676ھ) نے مفتی کی یہ شرائط بیان کی ہیں:

1. كَوْنُهٗ مُكَلَّفًا: عاقل و بالغ ہو، (شریعت کے احکام کا مکلّف ہو، نابالغ اور مجنون نہ ہو)۔
2. مُسْلِمًا: مسلمان ہو۔
3. ثِقَةً: اپنے فن میں پختہ ہو۔

4. مَأْمُوْنًا: بااعتماد ہو۔

5. مُتَنَزِّهًا عَنْ أَسْبَابِ الْفِسْقِ: اسبابِ فسق سے بچنے والا ہو۔

6. وَخَوَارِمِ الْمُرُوَّةِ: خلافِ مُروّت امور سے بچنے والا ہو۔

7. فَقِيْهَ النَّفْسِ: فقہی ذوق کا حامل ہو۔

8. سَلِيْمَ الذِّهْنِ: ذکاوت وفطانت والا ہو۔

9. رَصِيْنَ الْفِكْرِ: پختہ رائے والا ہو۔

10. صَحِيْحَ التَّصَرُّفِ وَالْاِسْتِنْبَاطِ: اصول وقواعد کو فروعات پر منطبق کرنے اور دلائل کی تہہ میں چھپے مسائل نکالنے کا درست ملکہ رکھنے والا ہو۔

11. مُتَيَقِّظًا: بیدار مغز ہو۔

(مقدمۃ المجموع شرح المہذب: ج1 ص469)

فائدہ:

یہ اہلِ افتاء کی شرائط تھیں البتہ آزاد ہونا، مرد ہونا، بینا ہونا، بولنے اور لکھنے پر قادر ہونا شرط نہیں بلکہ غلام، عورت، نابینا اور اشارہ سے بتا سکنے پر قادر ہونے والے افراد میں بھی اگر مذکورہ شرائط پائی جاتی ہوں تو وہ بھی فتویٰ دے سکتے ہیں۔

علامہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت676ھ) لکھتے ہیں:

سَوَاءٌ فِيْهِ الْحُرُّ وَالْعَبْدُ وَالْمَرْأَةُ وَالْاَعْمٰى وَالْاَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ أَوْ فُهِمَتْ إِشَارَتُهٗ.

(مقدمۃ المجموع شرح المہذب: ج1 ص469)

ترجمہ: فتویٰ دینے میں آزاد، غلام، عورت، نابینا، گونگا جب کہ وہ لکھ کر یا اشارے سے فتویٰ دے اور اس کا اشارہ سمجھ آسکتا ہو، سب برابر ہیں۔

(3) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (ت: 241ھ) فرماتے ہیں:

لَايَنْبَغِيْ لِلرَّجُلِ اَنْ يَّنْصِبَ نَفْسَهٗ لِلْفُتْيَا حَتّٰى يَكُوْنَ فِيْهِ خَمْسُ خِصَالٍ:

اَوَّلُهَا: اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ نِيَّةٌ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَهٗ نِيَّةٌ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ نُوْرٌ وَلَا عَلٰى كَلَامِهٖ نُوْرٌ۔

اَلثَّانِيَةُ: اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ حِلْمٌ وَوَقَارٌ وَسَكِيْنَةٌ۔

اَلثَّالِثَةُ: اَنْ يَّكُوْنَ قَوِيًّا عَلٰى مَا هُوَ فِيْهِ، وَعَلٰى مَعْرِفَتِهٖ۔

اَلرَّابِعَةُ: اَلْكِفَايَةُ وَاِلَّا مَضَغَهُ النَّاسُ،

اَلْخَامِسَةُ: مَعْرِفَةُ النَّاسِ۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین للامام ابن القیم الجوزیہ: ج:5، ص:75، ادارۃ الشئون الاسلامیہ)

ترجمہ: جب تک آدمی کے اندر پانچ خصلتیں پیدا نہ ہو جائیں اس وقت تک اس کے لیے میدانِ افتاء میں قدم رکھنا مناسب نہیں۔

1: اپنی نیت درست کرے، کیوں کہ اگر اس کی نیت اچھی نہ ہو گی تو اس کی ذات میں نور ہو گا نہ ہی اس کے کلام میں نور ہو گا۔

2: وہ بردبار، پُروقار اور متانت والا ہو۔

3: اپنے موقف اور اس کی معرفت پر مضبوط ہو۔

4: لوگوں سے بے نیاز ہو ورنہ لوگ اس کو چباڈالیں گے۔(مطلب لوگوں کے اَموال پہ نظر نہ رکھے ورنہ لوگ اسے اپنے مفاد میں استعمال کریں گے)

5: لوگوں کے احوال کو پہچانتا ہو اور ان کے حالات وواقعات سے واقفیت رکھتا ہو۔

امام محمد بن ابی بکر بن ایوب علامہ ابن قیم بن الجوزیہ رحمہ اللہ (ت:751ھ) مذکورہ عبارت کے تحت لکھتے ہیں:

فَاِنَّ هٰذِهِ الْخَمْسَةُ هِيَ دَعَائِمُ الْفَتْوىٰ ، وَاَیُّ شَيْئٍ نَقَصَ مِنْهَا ظَهَرَ الْخَلَلُ فِي الْمُفْتِيْ بِحَسْبِهٖ ۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین للامام ابن القیم الجوزیہ: ج:5، ص:75، ادارۃ الشئون الاسلامیۃ)

ترجمہ: یہ پانچ خصلتیں فتویٰ کی بنیاد ہیں۔ ان میں سے جو خصلت نہ ہو گی یا ناقص ہو گی اسی حساب سے مفتی کی شخصیت میں خامی یا نقص واقع ہو گا

مفتی کی شخصیت کے حوالے سے آداب

1: ماہر استاذ کی صحبت اور عملی تربیت

صرف مسائل کو یاد کرلینا کافی نہیں بلکہ کسی صاحب فن؛ معتبر وماہر استاذ سے فتویٰ کی عملی تربیت لینا انتہائی ناگزیر ہے۔ علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی رحمہ اللہ (ت:1252ھ) فرماتے ہیں:

"وَلَا بُدَّ لَهُ التَّخَرُّجُ عَلیٰ اُسْتَاذٍ مَاہِرٍ ، وَلَا یَکْفِیْهِ مُجَرَّدُ حِفْظِ الْمَسَائِلِ وَالدَّلَائِلِ"

(رسائل ابن عابدین، ج:2 ص:129 ، مکتبہ عثمانیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

ترجمہ: اور مفتی کے لئے ضروری ہے کہ کسی ماہر استاذ کے زیر نگرانی مسائل کی تخریج کرے، فتویٰ دینے کے لئے محض مسائل و دلائل کو یاد کرلینا کافی نہیں۔

2: دعا اور رجوع الی اللہ کا اہتمام:

یہ بہت ضروری امور ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد شامل حال رہتی ہے سلف صالحین رحمہم اللہ سے فتویٰ دیتے وقت مختلف دعائیں منقول ہیں: ہر ایک کا اپنا اپنا معمول تھا۔

(1) علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف ابن القیّم الجوزیہ رحمہ اللہ (ت:751ھ) لکھتے ہیں:

حَقِیْقٌ بِالْمُفْتِيْ اَنْ یُّکْثِرَ الدُّعَاءَ بِالْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ ۔

مفتی کو چاہیے کہ صحیح حدیث میں وارد ہونے والی یہ دعا کثرت سے پڑھا کرے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

(صحیح مسلم للامام مسلم بن الحجاج القُشیری، ت:261ھ، حدیث نمبر:1811، باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ودعائہ)

(2) امام مالک بن انس المدنی رحمہ اللہ (ت:179ھ) یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ "مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

(3) امام مکحول بن ابی مسلم الشامی رحمہ اللہ (ت:112,113ھ) کا یہ دعا پڑھنے کا معمول تھا۔ "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ "

(4) امام سعید بن المسیب رحمہ اللہ (ت:94ھ) جب کوئی فتویٰ دیتے یا کوئی مسئلہ بتاتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ " اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنِيْ وَسَلِّمْ مِنِّيْ ۔

(اعلام المعوقین عن رب العالمین للامام ابن القیم الجوزیہ: ج:5، ص:107)

3: بیدار مغزی اور ہوشیاری:

یہ چیز اس لیے بھی ضروری ہے تا کہ سائل کے سوال کو تمام پہلوؤں سے دیکھ سکے اور باریک بینی سے سوال کا جائزہ لے سکے، پھر حالات کو مد نظر رکھ کر ایسا جواب لکھے جو کافی وافی اور پر اثر ہو۔ اس سے مخاطب کی مراد بھی پوری ہو اور اسے کوئی آدمی غلط مقصد کے لیے استعمال بھی نہ کر سکے۔

4: تحمل و بردباری، وقار و متانت:

امام محمد بن ابی بکر بن ایوب علامہ ابن قیم بن الجوزیہ رحمہ اللہ (ت:751ھ) فرماتے ہیں:

"فَلَيْسَ صَاحِبُ الْعِلْمِ وَالْفُتْيَا اِلٰى شَيْئٍ اَحْوَجَ مِنْهُ اِلَى الْحِلْمِ وَالسَّكِيْنَةِ وَالْوَقَارِ فَإِنَّهَا كِسْوَةُ عِلْمِهٖ وَجَمَالِهٖ وَإِذَا فَقَدَهَا كَانَ عِلْمُهٗ كَالْبَدَنِ الْعَارِيْ مِنَ اللِّبَاسِ"۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین للامام ابن القیم الجوزیہ: ج5 ص76)

ترجمہ: ایک عالم دین اور مفتی جس قدر تحمل و بردباری، متانت و سنجیدگی اور قلبی اطمینان کا ضرورت مند ہے اتنا کسی اور چیز کا نہیں۔ کیوں کہ یہ خصلتیں لباس کی طرح ہیں۔ جس کے اندر یہ خصلتیں نہ ہوں وہ بے لباس بدن کی طرح ہے۔ (جیسے بدن کا حسن و جمال لباس کے ساتھ ہوتا ہے ایسے ہی علم کی خوب صورتی حلم، وقار اور سکینت (قلبی اطمینان اور طبعی ٹھہراؤ) کے ساتھ ہوتی ہے۔

5: خوش خلقی اور صبر:

مفتی کو سائل کے ساتھ بشاشتِ طبع، خوش خلقی اور خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے۔ نیز سائل کے بے تکے سوال پر صبر کرے۔

امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت:676ھ) لکھتے ہیں۔

"إِذَا كَانَ الْمُسْتَفْتِيْ بَعِيْدَ الْفَهْمِ فَلْيَرْفِقْ بِهٖ وَيَصْبِرْ عَلٰى تَفَهُّمِ سُؤَالِهٖ وَتَفْهِيْمِ جَوَابِهٖ فَإِنَّ ثَوَابَهٗ جَزِيْلٌ.

(مقدمۃ المجموع شرح المھذب للامام یحییٰ بن شرف النَوَوِی رحمہ اللہ، ت676ھ: ج1 ص485 مکتبہ دارالکتب العلمیہ)

ترجمہ: جب سائل کند ذہن ہو تو مفتی نرمی والا معاملہ کرے، سوال کے سمجھنے اور جواب کے سمجھانے پر جو وقت پیش آئے اس پر صبر کرے کیوں کہ اس میں بہت زیادہ اجر ہے۔

6: مسنون لباس اور ظاہری وضع قطع:

اعتدال و میانہ روی سے کام لیتے ہوئے اپنا لباس اچھا اور صاف ستھرا رکھے۔ نیز ہر ایسی چیز سے اجتناب کرے جو دین کے منصب و مقام کو معیوب کر دے۔

7: خود اعتمادی:

مضبوط دلائل اور مکمل شرح صدر کے بعد جب کوئی موقف اختیار کرے تو پھر اس میں تذبذب کا شکار نہ ہو، اگر مفتی کو خود اعتماد

نہ ہو گا تو پھر سائل فیصلہ کن پہلو کیسے اختیار کرے گا۔ اگر مسئلہ نہ آتا ہو تو پھر صاف صاف "لَاأَدْرِیْ" کہہ دے معلوم نہ ہوتے ہوئے بھی انا کا مسئلہ بنا کے خواہ مخواہ اندازے سے مسئلہ بتانا بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا بلا جھجک کہہ دے "مجھے معلوم نہیں"۔ اگر آتا ہو تو پھر خود اعتمادی کے ساتھ بتائے۔

8: فتویٰ سے رجوع کرنے میں عار محسوس نہ کرنا:

اگر دلائل کی بنیاد پر کوئی آدمی مفتی کے موقف پر اعتراض کرے تو وہ اطمینان قلب اور ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ اس کی معقول بات کو سننے سے گریز نہ کرے۔ ہر حال میں اپنے ہی قول پر ڈٹ جانا اور اپنی بات ہر صورت منوانا ہمارے اسلاف کی روِش نہیں۔

9: مزاج اور مردم شناسی:

مفتی کے لیے لوگوں کی معرفت اور پہچان ضروری ہے تاکہ ان کے مکر و فریب سے بچا جاسکے۔ نیز یہ وجہ بھی ہے کہ انسان جب تک مخاطب کے اندازِ تکلم، مزاج اور عرف سے واقف نہ ہو تو کماحقّہ جواب نہیں دے سکتا۔ اس ضمن میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا یہ ملفوظ مفتی کے پیشِ نظر رہنا چاہیے۔ حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لوگ آج کل علماء کو اپنی جنگ کی آڑ بناتے ہیں اور خود الگ رہتے ہیں۔ میں ان کی رگوں سے خوب واقف ہوں۔ جوابوں میں اس کی رعایت رکھتا ہوں، اس لیے یہاں کے جوابوں سے لوگ خوش نہیں ہوتے۔

(تحفۃ العلماء: ج:2، ص:232، ادارہ تالیفات اشرفیہ)

10: عرف و عادت سے واقفیت:

مفتی کے لیے اپنے علاقے کے عرف کو جاننا ضروری ہے، اسی طرح لوگوں کے طرزِ زندگی، ان کی معاشرت، معاشی معاملات، عادات و اخلاق اور ان کے علاقے کے عرف سے واقفیت ضروری ہے

1. رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ لوگوں کے معاملات و مزاج سے واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ (ت:50ھ) فرماتے ہیں:

"سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ عَنْ حِلْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم وَكَانَ وَصَّافًا فَذَكَرَ الْحَدِيثَ وَفِيهِ قَالَ : وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ يُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُصَوِّبُهُ وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّنُهُ.

(السنن الکبریٰ للامام حافظ ابو بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی رحمہ اللہ، ت:458ھ: حدیث نمبر:13665)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنھما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ھند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات واطوار کے بارے میں پوچھا کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بہت زیادہ بیان کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت ھند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ایک طویل حدیث بیان کی جس میں یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے بارے میں فکر مند رہتے تھے (اگر کوئی صحابی مجلس میں حاضر نہ ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھا کرتے کہ وہ کہاں ہے، کیوں نہیں آئے؟ مطلب ایک ایک ساتھی کا خیال رکھا کرتے) اور لوگوں کے درمیان جو معاملات ہوتے ان کے بارے میں دریافت کیا کرتے، معاملہ درست ہوتا تو اس کی تحسین و تصویب فرمایا کرتے، معاملہ غلط ہوتا تو اس کی مذمت اور تردید فرمایا کرتے۔

2. علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابنِ نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت:970ھ) فرماتے ہیں:

"كَانَ مُحَمَّدٌ يَذْهَبُ إِلَى الصَّبَّاغِينَ وَيَسْأَلُ عَنْ مُعَامَلَاتِهِمْ وَمَا يُدِيرُونَهَا فِيمَا بَيْنَهُمْ"

ترجمہ: امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ رنگریزوں کے پاس تشریف لے جاتے اور ان کے پیش آمدہ مسائل اور ان کے باہمی معاملات کے بارے میں سوالات کیا کرتے۔

(البحر الرائق شرح کنزالد قائق: کتاب القضاء، ج:6، ص:445، مکتبہ رشیدیہ)

3. علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابنِ نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت:970ھ) مزید فرماتے ہیں:

"وَلِكُلِّ أَهْلِ بَلَدٍ اِصْطِلَاحٌ فِي اللَّفْظِ فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُفْتِيَ أَهْلَ بَلَدٍ بِمَا يَتَعَلَّقُ بِاللَّفْظِ مَنْ لَا يَعْرِفُ اصْطِلَاحَهُمْ.

(البحر الرائق شرح کنزالد قائق: فصل فی المستفتی، 6/450، مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: لفظ بول کر اس کا معنیٰ مراد لینے میں ہر شہر والوں کی ایک اپنی اصطلاح ہوتی ہے لہٰذا ایسا مفتی جو سائلین کے معنی و مفہوم والے عرف سے واقف نہ ہو اس کے لیے ان کے مسائل میں فتویٰ دینا جائز نہیں۔

11: اتباعِ سنت کا اہتمام:

مفتی صاحب؛ شریعت کا جو حکم، خیر و بھلائی کی جو بات لوگوں کو بتائے اس پر خود بھی عمل کرے باقی لوگوں کی بہ نسبت زیادہ عمل کرے۔

12: نفل عبادات و اعمال کی پابندی:

اس کی برکت سے معاصی سے بچا رہے گا اور دل و دماغ گناہوں کی نحوست سے آلودہ نہ ہوں گے۔ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ علم کا نور عطا فرمائیں گے۔

13: طلب علم کی رغبت:

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی حاصل شدہ معلومات پر اکتفا نہ کرے بلکہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی فکر میں رہے اور تحصیلِ علم میں بہت زیادہ حریص ہو۔

14: ذہنی اطمینان:

فتویٰ ہمیشہ اطمینانِ قلب اور اعتدالِ طبع کے وقت دینا چاہیے، یعنی جب دل جمعی اور سکون قلب ہو تو فتویٰ دے اور جب ذہنی انتشار ہو تو فتویٰ نہ دے۔ مثلاً بھوک، پیاس، بول و براز، نیند، تکلیف، بیماری، پریشانی اور غم کی حالت میں اسی طرح بہت زیادہ خوشی کی حالت میں فتویٰ نہ دے۔ الغرض ایسی کسی بھی حالت میں فتویٰ دینے سے گریز کیا جائے جو طبیعت کو حدِّ اعتدال سے نکال دے۔

فائدہ: تاہم اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت پیش ہو اور اس حالت میں فتویٰ دینے کی ضرورت پڑ جائے اور مفتی کو اپنی ذات پر مکمل اعتماد ہو کہ میں درست اور حق فتویٰ دے سکتا ہوں تو فتویٰ دینے کی اجازت ہے۔

علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد ابنِ نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت:970ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا يُفْتِيْ فِي حَالِ تَغَيُّرِ أَخْلَاقِهِ وخروجه عن الِاعْتِدَالِ وَلَوْ لِفَرَحٍ وَمُدَافَعَةِ أَخْبَثَيْنِ فَإِنْ أَفْتَى مُعْتَقِدًا أَنَّ ذلك لم يَمْنَعْهُ عن دَرْكِ الصَّوَابِ صَحَّتْ فَتْوَاهُ وَإِنْ خَاطَرَ وَالْأَوْلَى أَنْ يَتَبَرَّعَ بِالْفَتْوَى

(البحر الرائق شرح کنزالد قائق: ج:6، ص:450، مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: مفتی ایسی حالت میں فتویٰ نہ دے جو اس کو حدِّ اعتدال سے نکال دے خواہ وہ کیفیت خوشی اور بول و براز کی شدت کی وجہ سے ہو۔ پس اگر اسے مکمل اعتماد ہو کہ یہ حالت اسے درست فتویٰ دینے سے مانع نہیں تب فتویٰ دے سکتا ہے تاہم بہتر یہ ہے کہ وہ اس حالت میں فتویٰ دینے سے احتیاط کرے۔

15: معاصر علماء کی آراء سے واقف ہونا:

مفتی کے لیے ضروری ہے کہ جدید مسائل میں معاصر علماء کرام کی آراء سے واقفیت رکھے، اور بوقت ضرورت ان سے رابطہ کرنے سے نہ ہچکچائے۔

سوال وجواب سے متعلق چند آداب

1:اپنے فتویٰ پر اجرت طلب نہ کرنا:

علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین رحمہ اللہ (ت:1252ھ) شرح الوھبانیہ میں فرماتے ہیں:

لَا یَجُوْزُ اَخْذُ الْاُجْرَۃِ عَلَی الْاِفْتَاءِ بَاللِّسَانِ وَیَجُوْزُ اَخْذُ اُجْرَۃِ الْکِتَابَۃِ وَمَعَ ھٰذَا اَلْکَفُّ عَنْ ذَالِکَ اَوْلیٰ۔

(قرۃ عیون الاخبار قبیل کتاب الشہادت: ج:1 ص:61)

ترجمہ: زبانی فتویٰ پر اجرت کا مطالبہ کرنا جائز نہیں، ہاں اگر تحریری فتویٰ ہو تو اجرت لینا جائز ہے مگر اس صورت میں بھی نہ لینا زیادہ بہتر ہے۔

2:اپنے سے بڑے عالم سے پوچھ کر جواب دینا:

اگر اس مجلس میں اس سے بڑا صاحبِ علم تشریف فرما ہو تو پھر جواب دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ اس سے پوچھ کر جواب دے۔ ہاں اگر وہ بڑا عالم خود اجازت دے یا حکماً کہے تو پھر جواب دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

3:لایعنی سوال کا جواب نہ دینا:

مفتی سوال پر خوب غور وفکر کرے۔ اگر وہ جواب کے قابل ہو تو جواب دے۔ اگر فضول سوال ہو تو جواب نہ دے، حدیث پاک میں ہے:

إِنَّ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ۔

(جامع ترمذی للامام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ ت:279ھ: حدیث نمبر:2317، 2318)

ترجمہ: آدمی کے اسلام کی خوب صورتی میں سے ایک اس کا فضول چیزوں کا چھوڑ دینا ہے۔

اور اگر مفتی قرائن سے معلوم کرلے کہ مستفتی اس فتویٰ سے فتنہ وفساد پھیلانے کا ارادہ رکھتا ہے تو قطعاً جواب نہ دے، یا ایسا جواب لکھ دے جس سے فتنہ وفساد کا باب بند ہو جائے۔

4:استفتاء ناقص ہو تو مکمل کر دینا:

اگر سوال میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو اسے پورا کر دے۔ غلطی کی اصلاح کرے اور خالی جگہ کو مناسب طریقے سے پر کرے۔ بہتر یہ ہے کہ خود سائل سے سوال مکمل کروائے۔ تاہم سائل کے ناخواندہ ہونے کی صورت میں مفتی خود بھی لکھ سکتا ہے، یعنی سوال میں جو ضروری قید لکھنے سے رہ گئی ہو اسے لکھ دے۔

5:سوال کی مکمل تنقیح کرنا:

مفتی کی ذمہ داری ہے کہ مکمل سوال کو غور سے پڑھے، پھر اس کا تجزیہ و تحلیل کرکے نکتۃ الغور کی تعیین کرے۔ یعنی پورے سوال نامہ میں سے صرف قابل جواب پوائنٹ (امور مطلوبہ) کا جواب تحریر کرے۔

6:جواب عام فہم الفاظ میں دینا:

اگر سائل عامی ہو تو پہلے آسان الفاظ میں مسئلے کا حکم بتائے پھر دلائل تحریر کرے۔ لیکن اگر سائل عالم ہو تو اس صورت میں علمی طرز اختیار کیا جا سکتا ہے۔

7: فرضی سوالات کا جواب نہ دینا:

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ (ت: 676ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ سَالَ عَامِیٌّ عَمَّا لَمْ یَقَعْ لَمْ یَجِبْ جَوَابُہٗ.

(آداب الفتویٰ للنووی: ص: 32)

ترجمہ: اگر کوئی بندہ کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں سوال کرے جو ابھی تک پیش نہ آیا ہو تو اس کا جواب دینا ضروری نہیں۔

علامہ زین الدین بن ابراھیم بن محمد ابنِ نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت: 970ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا یَجِبُ اِفْتَاءُ فِیْمَا لَا یَقَعُ

(البحر الرائق للامام ابن نجیم الحنفی ج6 ص450، مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: جو امر پیش نہ آیا ہو اس کا فتویٰ دینا ضروری نہیں۔

8: خواص کے مختص مسائل عوام میں مشہور نہ کرنا:

بہت سارے مسائل ایسے ہیں کہ عوام ان کی متحمل نہیں، لہٰذا انہیں صرف خواص تک محدود رکھے عوام میں بالکل مشہور نہ کرے۔ فقہاء کرام اس طرح کے بہت سارے مسائل کے بارے میں یہ تصریح کرتے ہیں کہ انہیں عوام کی پہنچ سے دور رکھا جائے۔

(1) علامہ محمد امین بن عمر ابن عابدین الشامی (ت: 1252ھ) لکھتے ہیں:

"قَالُوْا: ھٰذَا مِمَّا یُعْلَمُ وَیُکْتَمُ "

(حاشیہ ابنِ عابدین للشامی: مطلب فی تکرار الجماعت فی المسجد: ج: 2، ص: 369، دار المعرفۃ)

ترجمہ: فقہاء کرام رحمہم اللہ نے فرمایا: یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہے جیسے سیکھا جائے لیکن عوام سے چھپایا جائے۔

(2) صاحبِ دُرِّ مختار علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی رحمہ اللہ (ت: 1088ھ) فرماتے ہیں:

ھٰذَا یُعْرَفُ وَلَا یُعَرَّفُ.

(در مختار للامام الحصکفی رحمہ اللہ: 3/329، مکتبہ رشیدیہ)

اسے سیکھا جائے آگے نہ پھیلایا جائے۔

(3) امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت 970ھ) فتاویٰ الْوَلْوَالِجِیَّہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

لٰکِنْ ھذا شَیْءٌ یُعْلَمُ وَلَا یُفْتٰی بِہٖ

(البحر الرائق، ج: 7، ص: 44، مکتبہ رشیدیہ)

ترجمہ: لیکن یہ ایسا مسئلہ ہے جسے سیکھا جائے لیکن اس پر فتویٰ نہ دیا جائے۔

9: جواب دینے میں عجلت سے کام نہ لینا:

مفتی کو جب تک اطمینانِ قلب اور شرح صدر نہ ہو اس وقت تک جواب نہ دے۔ اگر مستفتی خواہ مخواہ جواب کے جلدی حصول کے لیے شور ڈالے تو اس کی پروا نہ کرے۔

10: معترض اور معاند کو جواب نہ دینا:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت: 1362ھ) فرماتے ہیں:

معاند کو جواب دینا مفید نہیں، بلکہ خاموشی بہتر ہے، مگر مولویوں کو صبر کب آتا ہے جوش اٹھتا ہے، بقول مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ (ت:1302ھ) آج کل کے مولوی فوجیوں سے کم نہیں وہ پلٹن سے لڑتے ہیں اور یہ کتاب اور رسالہ سے، جس کو محض اعتراض ہی مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ جاؤ تم یوں ہی سمجھو، البتہ جو سمجھنا چاہے اس کو سمجھا سکتے ہیں۔

(تحفۃ العلماء ج:2 ص:252)

فتویٰ دینے کے اصول و آداب

1: جواب دیتے وقت ترتیب کو ملحوظ رکھاجائے۔ اگر مختلف فتاویٰ جمع ہوں تو "اَلْاَسْبَق فَالْاَسْبَق" کے تحت جواب دے۔ اگر ترتیب یاد نہ ہو تو قرعہ اندازی کرلے۔ ہاں اگر مستفتی مسافر ہو یا عورت ہو تو انہیں پہلے جواب دیا جاسکتا ہے۔ نیز اگر کوئی سوال تحقیق طلب ہو تو اس صورت میں بھی دیگر سوالات کو اس پر مقدم کر سکتے ہیں۔

2: لکھائی یعنی رائیٹنگ صاف ستھری اور عمدہ ہو۔ ایک تو اس سے پڑھنے میں الجھن نہیں ہوتی کہ ہر عام و خاص آسانی سے پڑھ لیتا ہے، دوسرا یہ کہ التباس کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔

3: جواب اسی سوال والے پیپر پر درج کیا جائے۔ ایک تو اس لیے کہ پڑھنے والے کو آسانی ہو گی اور دوسرا یہ کہ غلط مقاصد کے لیے جواب استعمال کیے جانے کا اندیشہ نہیں رہے گا۔

4: جواب کے شروع میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "یا" اَلْجَوَابُ حَامِداً وَّ مُصَلِّياً" یا اس جیسی کوئی عبارت لکھی جائے۔

5: ایک ہی رسم الخط سے جواب دیا جائے۔

6: دوات میں سیاہی بھی ایک ہی رنگ کی استعمال کی جائے۔

7: جواب میں آیات و احادیث یا کتب فقہ کی عبارات درج کی ہوں تو عوام کی سہولت اور فائدہ کے لیے ان کا ترجمہ بھی لکھا جائے۔

8: جواب کے آخر میں " وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ " لکھا جائے۔ اگر مسئلہ عقائد یا اصولِ دین سے متعلق ہو تو پھر آخر میں " وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ " لکھا جائے۔

9: آخر میں اپنے دستخط ثبت کیے جائیں۔

10: تاریخ کتابت بھی ضرور درج کی جائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین.

چند فوائد

- مذہبِ غیر پر فتویٰ دینے کا مطلب۔
- فَلَعْنَةُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ عَلٰى مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِىْ حَنِيْفَةَ کا مطلب۔
- مذاہبِ اربعہ میں راجح اور مرجوح کے اختلاف کا مطلب۔
- مَذْهَبُنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأُ کا مطلب۔
- مجتہد مقلد محبوب اور غیر مجتہد غیر مقلد معیوب کا مطلب۔
- ایک مسئلہ مجتہد بتائے وہ قابل قبول ہے، وہی مسئلہ غیر مجتہد، غیر مقلد بتائے نا قابل قبول ہے، کا مطلب۔
- عند الناس چاروں مذاہب بر حق اور عند اللہ ایک مذہب بر حق ہونے کا مطلب۔

مذکورہ عنوانات کی ترتیب وار تفصیل درج ذیل ہے:

1: مذہب غیر پر فتویٰ دینے کا مطلب

وہ صورتیں جن میں مفتی دوسرے مذہب کے مطابق فتویٰ دے سکتا ہے۔

1: ضرورت وحاجت کی صورت میں۔

2: مذہبِ غیر کی دلیل کے راجح ہونے کی صورت میں۔

3: جب مجتہد قاضی القضاۃ کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں مذہب غیر پر فیصلہ نافذ کرے۔

1: اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مذہب میں کسی خاص مسئلہ پر عمل کرنا ممکن نہ رہے یعنی عمل کرنے کی صورت میں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑے اور اس سے چھٹکارا مذہبِ غیر پر فتوی دینے میں ہو تو ایسی صورت میں تنگی کو ختم کرنے اور ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے مذہبِ غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔

مثال:

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی (ت 1252ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

قوله: (خلافا لمالك) فإن عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضي أربع سنين

(ردالمحتار: ج6 ص452، مطلب: في الإفتاء بمذهب مالك)

ترجمہ: وہ عورت جس کا شوہر گم ہو گیا ہو تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک چار سال گزرنے کے بعد یہ عورت عدت وفات (چار ماہ دس دن) گزارے گی۔

زوجۃ المفقود کی عدت وفات کے متعلق ہمارے احناف رحمہم اللہ نے امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب پر فتویٰ دیا ہے۔

فائدہ:

ضرورت، حاجت اور ابتلاء عام کی وجہ سے مذہبِ غیر پر فتویٰ دینا درج ذیل شرائط کے ساتھ مشروط ہے:

(ا) وہ حاجت حقیقتاً شدید ہو اور اس کا ابتلاء عام ہو۔

(۲) مفتی کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ حاجت موجودہ حالات میں پیش آچکی ہے۔

(۳) فتویٰ دینے سے پہلے دیگر علماء کرام اور اصحاب فتویٰ سے خوب مشاورت کرے۔

(۴) مفتی کے لیے ضروری ہے کہ وہ جس مذہبِ غیر پر فتویٰ دینے کا محتاج ہو اس کی خوب تحقیق کرلے بہتر کہ اس مذہب کے علماء سے مراجعت کرلے۔

(۵) مذہب غیر کے جس قول پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہو وہ مضبوط اور معتبر ہو (وہ قول ان شاذ اقوال میں سے نہ ہو جو جمہور فقہاءِ امت کے خلاف ہو اور انہوں نے اس مسئلہ سے منع فرمایا ہو)

(۶) جس مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی ضرورت ہو وہ اس مذہب کو اس کی تمام شرائط کے ساتھ لے تا کہ تلفیق کی نوبت لازم نہ آئے۔

فائدہ: فقہاء کرام رحمہم اللہ کی اصطلاح میں تلفیق کا مطلب یہ ہے کہ دو مذہبوں کو سامنے رکھتے ہوئے کسی عمل کو ایسے طریقہ سے کیا جائے کہ وہ ان دونوں مذاہب میں سے کسی میں بھی قابل قبول نہ ہو۔

2: مذہبِ غیر پر فتویٰ دینے کی اجازت اس مفتی کو ہے جو اپنے مذہب پر مکمل دسترس رکھتا ہو، شرعی قواعد اور فقہی ضوابط سے خوب واقف ہو، قرآن وسنت کے احکام اور دلائل پر بہت گہری نگاہ رکھتا ہو اگرچہ وہ اجتہاد کے مقام پر فائز نہ ہو تو ایسے مفتی کے سامنے جب کوئی صحیح حدیث آئے جس کی اپنے معنی پر واضح دلالت ہو اور اس حدیث کے مقابلہ میں اپنے مذہب میں اپنے امام کے قول کے علاوہ کوئی اور مضبوط دلیل نہ ہو تو اس صورت میں اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ ایسے امام کے قول کو اختیار کرلے جس کا عمل اس حدیث مبارک کے موافق ہو۔

3: جب حاکم وقت کسی ایسے شخص کو قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز کرے جو مجتہدانہ صلاحیت رکھتا ہو اور حاکم وقت فیصلوں کے نفاذ میں اس کو کسی متعین مذہب کی پیروی کا پابند نہ کرے اور ایسی صورت میں وہ مجتہد قاضی القضاۃ کسی مجتہد فیہ مسئلہ میں مذہبِ غیر پر فیصلہ نافذ کرے تو اس صورت میں مفتی اپنے امام کے مذہب کے بجائے قاضی کے نافذ کیے ہوئے فیصلہ کے مطابق فتویٰ دینے کا پابند ہوگا۔

اشکال:

1: ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف الجُوَینِی رحمہ اللہ (ت 478ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْأُمَّةَ أَجْمَعَتْ عَلٰى أَنَّ الْمُجْتَهِدَ مَأْمُوْرٌ بِالْعَمَلِ بِقَضِيَّةِ اِجْتِهَادِهٖ حَتّٰى لَوْ مَالَ عَنْهَا لَنُسِبَ إِلَى الْمَأْثَمِ

(التلخیص فی اصول الفقه:ج3ص361)

ترجمہ: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مجتہد اپنے اجتہادی فیصلہ پر عمل کرنے کا پابند ہے اگر وہ اپنے فیصلہ سے اعراض کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

2: علامہ علی بن عبد الکافی تقی الدین السبکی رحمہ اللہ (ت 746ھ) لکھتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ الْمُصَنِّفُ عَلٰى أَنَّ الْمُجْتَهِدَ لَا يَجُوْزُ لَهُ التَّقْلِيْدُ مُطْلَقاً بِأَنَّهٗ مَأْمُوْرٌ بِالْاِعْتِبَارِ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى: "فَاعْتَبِرُوْا" فَإِذَا تَرَكَهٗ يَكُوْنُ تَارِكاً لِلْمَأْمُوْرِ بِهٖ فَيَعْصِيْ

(الابہاج فی شرح المنہاج علیٰ منہاج الوصول الیٰ علم الاصول للبیضاوی: جزو: 3 ص 271)

ترجمہ: مصنف (قاضی ناصر الدین ابو سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیر ازی البیضاوی رحمہ اللہ (ت 685ھ) نے دلیل کے طور پر قرآن کریم کی آیت " فَاعۡتَبِرُوۡا " سے استدلال کیا ہے کہ مجتہد کے لیے تقلید کرنا کسی حال میں جائز نہیں، اس لیے کہ وہ اللہ تعالی کے فرمان " فَاعۡتَبِرُوۡا "کا مامور بنایا گیا ہے، اگر وہ اس کی مخالفت کرے گا تو ترک کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہو گا۔

3: امام ابو عبد اللہ، بدر الدین، محمد بن بہادر بن عبد اللہ الزَّرْكَشِيّ المصری رحمہ اللہ (ت: 794ھ) لکھتے ہیں:

أَنَّ الْمُجْتَهِدَ بَعْدَ اجْتِهَادِهِ مَمْنُوعٌ مِنَ التَّقْلِيدِ وَأَنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ الْعَمَلُ بِمَا أَدَّاهُ إِلَيْهِ اجْتِهَادُهُ

(البحر المحیط فی اصول الفقہ: ج 3 ص 516)

ترجمہ: مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد کے بعد کسی اور کی تقلید کرنا منع ہے اور جو بات اسے اپنے اجتہاد سے سمجھ آئی ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

اشکال کا حاصل یہ ہے کہ درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ مجتہد کے لیے اپنے اجتہاد پر کاربند رہنا اور مقلد کے لیے اپنے مجتہد کی تقلید کرنا واجب ہے تو پھر ایک مجتہد دوسرے مجتہد کے مذہب پر فتویٰ کیوں دیتا ہے اور مقلد اپنے مجتہد کو چھوڑ کر دوسرے مجتہد کی تقلید کیوں کرتا ہے؟

جواب:

مجتہد پر اجتہاد واجب ہے اس کا معنی یہ ہے کہ وہ نصوص میں غور و فکر کر کے ان میں سے اصول وضع کرتا ہے پھر ان اصولوں کی روشنی میں جزئیات کا استخراج کرتا ہے۔ اس معاملہ میں ایک مجتہد کے لیے دوسرے مجتہد کے اصول لینا جائز نہیں۔

رہا ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد کے قول کو لینا اس سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے دوسرے مجتہد کے قول کو لے کر اس کی تقلید کر لی ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ ایک مجتہد نے اپنے اصول اور دلائل میں غور کیا ہوتا ہے دوسرے مجتہد کے اصول اور ادلہ کو بھی پرکھتا ہے۔ مجتہد اپنی خداداد صلاحیت اور دیانت داری کے پیش نظر یہ سمجھتا ہے کہ میرے اصول اور دلائل اس مسئلہ پر منطبق نہیں ہوتے بلکہ دوسرے مجتہد کے اصول اور ان کے پیش کردہ دلائل اس مسئلہ میں مؤثر اور راجح ہیں۔ اب چونکہ ایک مذہب کا مجتہد دوسرے مذہب کے مجتہد کے دلائل کو اس مسئلہ میں اپنے اجتہاد اور خداداد فہم کی بنیاد پر مؤثر سمجھتا ہے تو در حقیقت یہ اس کا اپنا اجتہاد ہی ہوتا ہے دوسرے مذہب کے مجتہد کی تقلید نہیں ہوتی۔

2: فَلَعْنَةُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيْفَةَ کا مطلب:

علامہ علاء الدین محمد بن علی الحصکفی رحمہ اللہ (ت 1088ھ) نے حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ (ت: 181) کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ (ت 150ھ) کی شان، مقام، عظمت اور منقبت پر مشتمل ہے۔

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا إِمَامُ الْمُسْلِمِينَ أَبُو حَنِيفَهْ
بِأَحْكَامٍ وَآثَارٍ وَفِقْهٍ كَآيَاتِ الزَّبُورِ عَلَى صَحِيفَهْ
فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهُ نَظِيرٌ وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوفَهْ
يَبِيتُ مُشَمِّرًا سَهِرَ اللَّيَالِيْ وَصَامَ نَهَارَهُ لِلهِ خِيفَهْ

فَمَنْ كَأَبِي حَنِيفَةَ فِي عُلَاهُ إِمَامٌ لِلْخَلِيفَةِ وَالْخَلِيقَهْ
رَأَيْت الْعَائِبِينَ لَهُ سَفَاهًا خِلَافَ الْحَقِّ مَعَ حِجَجٍ ضَعِيفَهْ
وَكَيْفَ يَحِلُّ أَنْ يُؤْذَى فَقِيهٌ لَهُ فِي الْأَرْضِ آثَارٌ شَرِيفَهْ
وَقَدْ قَالَ ابْنُ إدْرِيسٍ مَقَالًا صَحِيحَ النَّقْلِ فِي حِكَمٍ لَطِيفَهْ
بِأَنَّ النَّاسَ فِي فِقْهٍ عِيَالٌ عَلَى فِقْهِ الْإِمَامِ أَبِي حَنِيفَهْ
فَلَعْنَتُهُ رَبِّنَا أَعْدَادَ رَمْلٍ عَلَى مَنْ رَدَّ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَهْ

(الدر المختار: ج1 ص151، مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل)

ترجمہ:

- امام المسلمین امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یقیناً شہروں اور شہر والوں کو احکام، آثار اور فقہ کے ذریعہ سے ایسے رونق بخشی جیسے صحیفہ میں زبور کی آیات نے۔
- مشرق، مغرب اور کوفہ (بلکہ تمام کائنات) میں آپ جیسے علمی مقام کی مثال نہیں ملتی۔
- آپ مستعد ہو کر عبادت کے لیے شب بھر بیدار رہتے اور خشیت الٰہی کی بہ دولت دن بھر روزہ رکھتے۔
- رفعت شان میں بھلا امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسا کون ہو سکتا ہے، آپ خَلق خدا کے امام اور خلیفہ ہیں۔
- میری نظر میں آپ کی عیب گوئی کرنے والے کم عقل ہیں ان کے پاس حق کے خلاف کمزور دلائل کے علاوہ کچھ نہیں۔
- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جیسے فقیہ کو اذیت دینا کیسے روا ہو سکتا ہے، جب کہ آپ کے علمی فیوض روئے زمین میں پھیلے ہوئے ہیں۔
- آپ کے بارے میں باریک حکمتوں کے ضمن میں امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا بہترین بات ارشاد فرمائی کہ تمام لوگ (فقہاء کرام) دین کے فہم میں امام ابو حنیفہ کی فقہ کے محتاج ہیں۔
- جو شخص امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو تسلیم نہ کرے اس پر ریت کے ذرات کے برابر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

اعتراض:

قصیدہ کے آخری شعر کی بنا پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے مقلدین امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو رد کرتے ہیں۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ احناف ان پر لعنت بھیجتے ہیں تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ دوسرے مذاہب بھی برحق ہیں، اور ان میں بھی صواب کا احتمال ہے۔ اگر اس بات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر کیا باقی تمام ائمہ مجتہدین اور ان کے مقلدین پر لعنت جائز ہو گی؟

جواب:

اس شعر کا مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی۔ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں، ایک ہے قرآن و سنت کی بنیاد پر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے شرعی مسائل کو حقارت کی وجہ سے رد کرنا، دوسرا ہے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی مسائل کو دلائل کی بنیاد پر قبول نہ کرنا۔ دونوں میں فرق ہے لعنت کا تعلق پہلی بات کے ساتھ ہے دوسری کے ساتھ نہیں۔

چنانچہ علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز بن احمد ابن عابدین شامی رحمہ اللہ (ت 1252ھ) لکھتے ہیں:

"اَیْ عَلٰی مَنْ رَدَّ مَاقَالَہٗ مِنَ الْاَحْکَامِ الشَّرْعِیَّۃِ مُحْتَقِراً لَّھَافَاِنَّ ذَالِکَ مُوْجِبٌ لِلطَّرَدِ وَالْاِبْعَادِلَا بِمُجَرَّدِالطَّعْنِ فِی الْاِسْتِدْلَالِ"

(ردالمحتار: ج1ص، مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل 151)

ترجمہ: یہ لعنت اس شخص کے بارے میں ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بتائے ہوئے احکام شرعیہ کو حقارت کی وجہ سے رد کرتا ہے کیوں کہ اس میں تکبر ہے اور دوسرے کو گھٹیا سمجھنا بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب ہے۔ لیکن اگر کوئی محض امام صاحب کے اجتہاد کو دلائل کی بنیاد پر قبول نہیں کرتا تو اس رد میں چونکہ حقارت نہیں ہوتی اس لیے یہ لعنت کا سبب نہیں بنتا۔

مثال:

امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ (ت 256ھ) ایک حدیث نقل کریں اور دوسرا شخص حدیث ہی کو رد کرے تو یہ قابل لعنت اور قابل ملامت ہے۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ ایک حدیث کو صحیح یا ضعیف قرار دے اور دوسرا شخص اس تصحیح یا تضعیف سے اختلاف کرے تو یہ بات قابل ملامت نہیں کیوں کہ یہ اس کے "اجتہاد" سے دلیل کی بنیاد پر اختلاف ہے۔ حدیث کا نہ ماننا الگ چیز ہے اور حدیث کی تصحیح یا تضعیف کا دلیل کی بنیاد پر نہ ماننا الگ چیز ہے۔ اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اجتہاد نہ ماننا الگ چیز ہے اور شرعی مسئلہ کی تحقیر کر کے اس کو رد کرنا بالکل الگ چیز ہے۔

3: مذاہب اربعہ میں راجح اور مرجوح کے اختلاف کا مطلب:

ہم کہتے ہیں کہ مذاہب اربعہ میں راجح اور مرجوح، اولیٰ اور غیر اولیٰ کا اختلاف ہے۔ جب کہ ان میں تو طہارت اور نجاست، حلال اور حرام، جائز اور ناجائز کا اختلاف ہے۔

حلال و حرام کا اختلاف جیسے شوافع کے ہاں تیسرے حیض میں نکاح بالغیر حلال ہے: چنانچہ امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ (ت 204ھ) لکھتے ہیں:

" وَالْأَقْرَاءُ" الْأَطْهَارُ (وَاَللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ) فإذا طَلَّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ طَاهِرًا قبلَ جِمَاعٍ أو بَعْدَهُ اعْتَدَّتْ بِالطُّهْرِ الَّذِي وَقَعَ عَلَيْهَا فِيه الطَّلَاقُ وَلَوْ كان سَاعَةً من نَهَارٍ وَتَعْتَدُّ بِطُهْرَيْنِ تَامَّيْنِ بين حَيْضَتَيْنِ فإذا دَخَلَتْ في الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ حَلَّتْ

(کتاب الام: ج2ص 1981، کتاب العدد)

ترجمہ: "الْأَقْرَاءُ" سے طہر مراد ہیں (اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں) جب کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طہر کی حالت میں جماع سے پہلے یا جماع کے بعد طلاق دی تو وہ عورت اسی طہر سے عدت گزارے گی جس میں اسے طلاق ہوئی ہے اگرچہ طہر کا وقت دن کا ایک لمحہ ہی کیوں نہ ہو، اور وہ (مزید) دو مکمل طہروں کی جو دو حیضوں کے درمیان ہوں مدت گزارے گی، تیسرا حیض شروع ہوتے ہی وہ عورت (دوسرے نکاح کے لیے) حلال ہو جائے گی۔

جب کہ احناف رحمہم اللہ کے نزدیک تیسرے حیض میں نکاح بالغیر حرام ہے: چنانچہ محمود بن احمد بن الصدر الشہید النجاری برہان الدین مازہ رحمہ اللہ (ت 536ھ) لکھتے ہیں:

"وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْء" (البقرة: 288)

وَهِيَ عِبَارَةٌ عَنِ الْحَيْضِ. وَإِذَا مَضَتْ مُدَّةُ الْحَيْضِ .... تَنْقَطِعُ الرَّجْعَةُ وَيَحِلُّ لَهَا التَّزَوُّجُ بِزَوْجٍ آخَرَ

(المحیط البرہانی: ج1 ص289، کتاب الطہارۃ الفصل الثامن فی الحیض)

ترجمہ: "وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ" میں قروء سے مراد حیض ہے، جب (تیسرے) حیض کی مدت پوری ہو جائے ... تو اس وقت شوہر کے لیے رجوع کرنے کا حق ختم ہو جائے گا۔ اور اس عورت کے لیے دوسرے خاوند سے نکاح کرنا حلال ہو جائے گا۔ تو پھر یہ راجح اور مرجوح، اولی اور غیر اولی کا اختلاف کیسے ہو گا؟

جواب:

راجح اور مرجوح، اولی اور غیر اولی کے اختلاف کا معنی یہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں وہ جانب حلت کو اور ہم جانب حرمت کو ترجیح دیتے ہیں یا وہ جانب حرمت کو اور ہم جانب حلت کو ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح وہ جانب نجاست کو اور ہم جانب طہارت کو ترجیح دیتے ہیں یا وہ جانب طہارت کو اور ہم جانب نجاست کو ترجیح دیتے ہیں، اسی طرح وہ جانب جواز کو اور ہم عدم جواز کو یا وہ عدم جواز کو اور ہم جانب جواز کو ترجیح دیتے ہیں۔ راجح اور مرجوح کا یہ مطلب ہے۔ یہ مطلب ہر گز نہیں کہ حلال و حرام، جائز اور ناجائز میں اختلاف ہے۔

فائدہ:

ایک حلت و حرمت، طہارت و نجاست وہ ہوتی ہے جو براہ راست نص (آیت یا حدیث کے متن) سے ثابت ہوتی ہے۔ ایک حلت و حرمت، طہارت و نجاست وہ ہوتی ہے جو مجتہد کے اجتہاد سے ثابت ہوتی ہے۔ ہمارا جو اختلاف ہو رہا ہے وہ نصوص کا نہیں بلکہ اجتہادات کا ہے۔ اور اجتہادات کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے:

إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ.

(صحیح البخاری: ج2 ص1092 باب اجر الحاکم اذا اجتہد فاصاب او اخطأ)

ترجمہ: جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرنے میں صحیح اجتہاد کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اس نے اجتہاد میں خطا کی تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

چونکہ حلت و حرمت اجتہاد سے ثابت ہو رہی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے معلوم ہوا کہ ہر مجتہد کے مصیب اور مخطی ہونے کا احتمال ہوتا ہے, اس لیے ہم اس کو راجح اور مرجوح کہتے ہیں۔

ہمارا مسلک ہے "مذہبنا صواب یحتمل الخطأ و مذہب غیرنا خطأ یحتمل الصواب" ہمارے امام کا اجتہاد صواب ہے لیکن خطاء کا احتمال ہے اور دیگر ائمہ کا مذہب خطا ہے لیکن اس میں صواب (درست ہونے) کا احتمال ہوتا ہے۔

4: مذہبنا صواب یحتمل الخطأ کا مطلب:

یہ ضابطہ اجتہادی اور فروعی مسائل کے بارے میں ہے۔ جب کہ عقائد کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ " مذہبنا حق و مذہب غیرنا باطل "ہمارا عقیدہ ٹھیک ہے اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔

امام زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف ابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ (ت970ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا سُئِلْنَا عَنْ مَذْهَبِنَا وَمَذْهَبِ مُخَالِفِينَا فِي الْفُرُوعِ, يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نُجِيبَ بِأَنَّ مَذْهَبَنَا صَوَابٌ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَمَذْهَبُ مُخَالِفِيْنَا خَطَأٌ يَحْتَمِلُ الصَّوَابَ ؛ لِأَنَّكَ لَوْ قَطَعْتَ الْقَوْلَ لِمَا صَحَّ قَوْلُنَا إِنَّ الْمُجْتَهِدَ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ وَإِذَا سُئِلْنَا عَنْ مُعْتَقَدِنَا وَمُعْتَقَدِ خُصُومِنَا فِي الْعَقَائِدِ يَجِبُ عَلَيْنَا أَنْ نَقُولَ: الْحَقُّ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ وَالْبَاطِلُ مَا عَلَيْهِ خُصُومُنَا

(الاشباہ والنظائر علی مذھب ابی حنیفۃ النعمان ص330 فائدۃ فی اعتقاد الانسان فی مذھبہ ومذھب غیرہ)

ترجمہ: جب فروعی مسائل کے بارے میں ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالفین کے موقف کے بارے میں پوچھا جائے تو ہماری ذمہ داری ہے ہم یہ جواب دیں کہ ہمارا موقف درست ہے اس میں خطا کا احتمال ہے ہمارے مخالف کا موقف خطاء ہے جس میں درستی کا احتمال ہے۔ اس لیے کہ اگر آپ نے یہ جواب دیا کہ ہمارا موقف ہی ٹھیک ہے تو پھر یہ کہنا کہ "مجتہد خطا بھی کرتا ہے اور اس کا اجتہاد درست بھی ہوتا ہے" ٹھیک نہ ہو گا۔

اور جب ہم سے ہمارے اور مخالفین کے عقیدے سے متعلق پوچھا جائے تو ہماری ذمہ داری ہے ہم یہ جواب دیں کہ ہمارا عقیدہ ہی ٹھیک ہے اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔

تنبیہ:

یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ مذاہب اربعہ میں جو اختلاف ہے یہ اجتہادات یعنی فروعی مسائل کا اختلاف ہے، اعتقادات یعنی عقائد کا اختلاف نہیں بلکہ عقائد میں تمام ائمہ متفق ہیں اور اختلاف صرف فروعی اور اجتہادی مسائل میں کرتے ہیں۔

5: مجتہد، مقلد محبوب اور غیر مجتہد، غیر مقلد معیوب کا مطلب:

شریعت پر عمل کرنے کی دو ہی صورتیں ہیں:

(1) آدمی استدلال کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

(2) استدلال کرنے والے پر اعتماد رکھتا ہو۔

جو استدلال کرنے کی صلاحیت و طاقت رکھتا ہے اس کو مجتہد کہتے ہیں۔ جو استدلال کرنے والے پر اعتماد کرتا ہے اس کو مقلد کہتے ہیں۔ جو شخص استدلال بھی نہ کر سکتا ہو استدلال کرنے والے پر اعتماد بھی نہ کرتا ہو اس کو غیر مجتہد، غیر مقلد کہتے ہیں۔ لہٰذا استدلال کرکے مسئلہ نکالنے والا اور اس پر اعتماد کرنے والا دونوں محبوب ہیں اور خود استدلال نہ کر سکنے والا اور استدلال کرنے والے پر اعتماد نہ کرنے والا معیوب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد اور اس پر اعتماد کرنے والا دونوں ماجور ہوتے ہیں اور جو خود مجتہد بھی نہ ہو کسی مجتہد پر اعتماد بھی نہ کرتا ہو وہ ماجور نہیں ہوتا۔

اشکال:

حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جب کہ ہم خود ایک غیر مقلد کے معتقد اور مقلد ہیں کیوں کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے۔

(مجالس حکیم الامت: ص345)

جواب:

اس کا معنی یہ نہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ غیر مقلد تھے تو ساتھ میں وہ غیر مجتہد بھی تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ غیر مقلد یعنی مجتہد تھے وہ تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ اجتہاد کرتے تھے تو لوگوں نے معنی یہ سمجھا ہے کہ وہ غیر مقلد تھے یعنی مجتہد نہیں تھے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ اپنی تصنیف میں امام صاحب کا مجتہد ہونا بڑی قوت سے ثابت فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"اس مؤرخ کے قول سے ان [امام صاحب] کا مجتہد ہونا ثابت ہے... پس امام صاحب کے مجتہد نہ ہونے کا شبہ رفع ہو گیا"۔

(تقلید و اجتہاد: ص76،77)

6:ایک مسئلہ مجتہد بتائے قابل قبول، وہی مسئلہ غیر مجتہد، غیر مقلد بتائے نا قابل قبول کا مطلب:

اس کی وجہ یہ ہے کہ مجتہد کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے گارنٹی حاصل ہے اور غیر مجتہد کو یہ گارنٹی حاصل نہیں ہے۔ اس پر دلائل درج ذیل ہیں:

1: عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ.

(صحیح البخاری: ج2 ص1092 باب أجر الحاکم إذا اجتہد فأصاب أو أخطأ)

ترجمہ: جب کوئی فیصلہ کرنے والا فیصلہ کرنے میں صحیح اجتہاد کرے تو اسے دو اجر ملتے ہیں اور اگر اس نے اجتہاد میں خطا کی تو اسے ایک اجر ملتا ہے۔

2: عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ

(جامع الترمذی: حدیث **2952**)

ترجمہ: جس نے قرآن کریم میں اپنی رائے سے بات کی اگر وہ درست بھی ہو تب بھی اس نے غلط کیا ہے۔

مثال 1:

ماہر غیر ماہر کا فرق ہے۔ مثلاً ایک ڈاکٹر ماہر ہے اور ایک عطائی ہے۔ اگر ماہر آپریشن کرے اور مریض ٹھیک ہو جائے تو اس کے لیے اجران ہیں اور اگر ٹھیک نہ ہو تو اجر کا مستحق بہر حال ہے بخلاف عطائی کے کہ اگر اس کا آپریشن ناکام ہو جائے تو اس کو سزا ملتی ہے اور اگر ٹھیک بھی ہو جائے تب بھی قابل گرفت ہے۔

مثال 2:

شوافع کا رفع یدین کرنا درست ہے۔ شوافع ماہر مجتہد کے اجتہاد پر عمل پیرا ہیں جن کے لیے اجر تو بہر حال ہے۔ غیر مقلدین کا رفع یدین غلط ہے۔ کیوں کہ غیر مقلدین کا مسئلہ اگرچہ ظاہراً شوافع سے ملتا ہے لیکن تب بھی قابل قبول نہیں کیوں کہ وہ غیر مجتہد ہیں۔

7:عند الناس چاروں مذاہب بر حق اور عند اللہ ایک مذہب بر حق ہونے کا مطلب:

ہر مجتہد اپنے آپ کو مصیب سمجھتا ہے اور مصیب سمجھ کر اپنے اجتہاد پر عمل کرتا ہے اگرچہ اپنے اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی رکھتا ہے، اسی طرح ہر مقلد اپنے مجتہد کو مصیب سمجھ کر اس کے اجتہاد پر عمل کرتا ہے اگرچہ اس میں خطا کا احتمال بھی رکھتا ہے تو چونکہ چاروں مجتہدین کے مقلدین اپنے مجتہد کو بر حق اور مصیب سمجھتے ہیں۔ اور مصیب اور بر حق سمجھ کر اس کے اجتہاد پر عمل کرتے ہیں۔

اس لیے ہم چاروں ائمہ کے بارے میں کہیں گے کہ بر حق ہیں باقی در حقیقت مذہب اور مسئلہ کس کا درست ہے وہ تو اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ یعنی ہمارے ہاں تو مسئلہ چاروں کا ٹھیک ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ٹھیک ہے۔ لیکن اجر سب کو ملے گا کیونکہ اخلاص اور حسنِ نیت میں سب شریک ہیں۔ اگر غلطی ہوئی ہے تو ہمارے علم میں نہیں۔

مثال:1

اس کو ایک مثال سے سمجھیے! جس طرح چار آدمی سفر پر جاتے ہیں اور راستے میں قبلہ کا پتہ نہیں چلتا اور قبلہ بتانے والا بھی کوئی

نہیں ہوتا، قبلہ کی تعیین میں اختلاف ہوتا ہے ہر آدمی تحری اور اجتہاد کر کے قبلہ کا تعین کرتا ہے تو جس کی تحری جس طرف ہوگی اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی۔ تو ہم کہیں گے کہ چاروں برحق ہیں۔ اگرچہ نفس الامر اور حقیقت میں قبلہ کسی ایک فرد ہی کا درست ہے، اس کے باوجود شریعت نے سب کی نماز کو درست قرار دیا۔

مثال:2

عَنْ أَبِيْ سَعِيْد: أَنَّ رجُلَيْنِ تَيَمَّمَا وصَلَّيَا ثُمَّ وَجَدَا مَاءً فِي الْوَقْتِ فَتَوَضَّأَ أَحَدُهُمَا وعَادَ لِصَلاتِه مَا كَانَ فِي الْوَقْتِ وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ فَسَأَلَا النَّبِيَّ صلى الله عليه و سلّم فَقَالَ لِلَّذِيْ لَمْ يُعِدْ أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلاتُكَ وقَالَ لِلْآخَرِ أَمَّا أَنْتَ فَلَكَ مِثْلُ سَهْمِ جَمْع

(سنن النسائی: ج2ص74،75باب التیمم لمن یجد المآء بعد الصلوٰۃ)

ترجمہ: حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو صحابیوں نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی پھر نماز کا وقت ابھی باقی تھا کہ پانی مل گیا تو ایک صحابی نے وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھ لی جبکہ دوسرے نے نماز دوبارہ نہیں پڑھی۔ بعد میں دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ نماز نہ پڑھنے والے صحابی سے فرمایا: اجتہاد آپ کا درست ہے اور آپ کی نماز کافی ہے اور دوسرے سے فرمایا: آپ کو دو نمازوں کا اجر ملے گا۔ تو دیکھیے یہاں دونوں کا عمل مختلف ہے اس کے باوجود دونوں صحابیوں کو برحق مانا ہے۔

مثال:3

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ فَأَدْرَكَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِي الطَّرِيقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّي حَتَّى نَأْتِيَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّي --- فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمْ

(صحیح البخاری: ج2ص591باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غزوہ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی بھی بنو قریظہ کی طرف پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا تو بعض صحابہ نے کہا ہم تو بنو قریظہ جا کر ہی نماز پڑھیں گے جبکہ بعض نے کہا ہم تو (اسی جگہ) نماز پڑھیں گے۔ بعد میں جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بھی مَوردِ الزام نہیں ٹھہرایا۔ اس واقعہ میں بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں جماعتوں کو برحق مانا کسی پر بھی نکیر نہیں فرمائی۔